ہم جو معتبر ٹھہرے

نبیلہ ابر راجہ

نبیلہ ابر راجہ

ہم جو مٹیں تمہارے

"میں ہوں آپ کی ہوسٹ آپ کی دوست جلوہ گر نی نلی ہری۔ اس وقت آپ میرے ساتھ ایف ایم فور ٹوٹی سن رہے ہیں جو کہ ہے آپ کا اپنا ریڈیو اسٹیشن۔ یہ روزانہ آپ اسی وقت پرستان و قاف سے براہ راست سن سکتے ہیں۔ اپنے پروگرام کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔ میں پہلا ٹریک پلے کرتی ہوں جو کہ شتوگڑا جلوہ گر اور آپ کی ہوسٹ جلوہ گر نی نلی ہری کی آواز میں ہے۔ آپ سونگ سے لطف اندوز ہوں جب تک میں برش کر لوں کیونکہ ابھی سو کر اٹھی تھی اور سیدھی بغیر منہ دھوئے پروگرام کرنے پرستان کو قاف چلی آئی۔ کہ کہیں میرا پروگرام لیٹ نہ ہو جائے دیکھ لیں کتنی محبت ہے مجھے اپنے سننے والوں سے کہ نہیں آپ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ چلئے آپ سونگ سنئے۔ اس کے بعد شارٹ کمرشل بریک ہے۔

ہم پیار ہیں تمہارے
بچے ہیں غبارے
ہم سے لیا کرو
ہم سے لیا کرو

اس سے پہلے کہ شتوگڑا جلوہ گر عرف شاہ میر اس کی آواز میں آواز ملاتا۔ صوفیہ بیگم اس کے سر پہ آ کھڑی ہو گئیں۔

"شاہ میر! کتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں۔ کچھ سنائی دے رہا ہے کہ نہیں۔ تمہارے سر کب

سے آئے ہوئے ہیں۔ لیکن تمہیں ان ڈراموں سے فرصت ملے تو ناں!"

انہوں نے قہر آلود نگاہ سے آبدار کو گھورا لیکن وہ مزے سے نظر انداز کر گئی۔ وہ شاہ میر کو اٹھا کر لے گئیں۔ اس کے بعد عمر اور آمنہ بھی ادھر ادھر کھسک گئے کیونکہ سخت نقص امن کا اندیشہ تھا۔ ان تینوں نے آبدار کا ساتھ دینے اور اس کے پروگرام سے بھرپور طور پہ لطف اندوز ہونے کے لیے آج کے ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی تھی۔

"تمہیں تو کوئی کچھ کہتا نہیں ہے جو بھی کرو مگر اوروں کو بخش دیا کرو۔" صوفیہ چچی کڑوے لہجے میں کہتی باہر نکل گئیں مگر اس پہ کچھ خاص اثر نہیں ہوا۔

دوپہر کو کالج سے آنے کے بعد اسے نیند نہیں آئی تھی تو وہ دروازہ کھول کر چپکے سے ٹی وی لاؤنج میں آ جاتی۔ عمر، شاہ میر اور آمنہ ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی اس کے گروپ میں شامل ہو گئے تھے کیونکہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ آبدار کی اتنی خاص بنتی نہیں تھی سو گھر میں یہی تینوں اس کے دوست تھے۔

شاہ میر اسی سال نائنتھ کلاس میں آیا تھا۔ آمنہ سیونتھ میں تھی اور عمر بھی اسی کی کلاس میں تھا۔ خود آبدار تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ بڑے ابو نے اسے بڑے لالچ دے کر مزید پڑھنے پر آمادہ کیا تھا۔ آبدار بی ایس سی کر رہی تھی۔ ورنہ اس کے بس میں ہوتا تو میٹرک کے بعد ہی تعلیم کو خیرباد کہہ دیتی۔ مما چاہتی تھیں کہ وہ بھی گھر کی باقی لڑکیوں کی طرح پڑھ لکھ جائے لیکن اس معاملے میں وہ ان کی بھی نہیں سنتی تھی۔ میٹرک میں اتنے کم نمبر تھے کہ کسی اچھے کالج میں داخلہ ملنا مشکل ہی تھا۔ یہاں بڑے ابا نے تایا جان عاشر احمد کو کہہ کر سفارش کروائی تھی۔ کالج میں آ کر بھی اس کی لاپروائی کا وہی عالم تھا۔ ایف ایس سی میں دونوں سال گھر پہ ٹیوٹرز آتے رہے تب کہیں جا کر وہ پاس ہوئی۔ اب بی ایس سی میں بھی بڑے ابا نے بہت قابل ٹیوٹرز لگوا کر دیا تھا۔

آمنہ، عمر اور شاہ میر کو ایک اور ٹیوٹر پڑھانے آتا تھا۔ جب وہ انہیں پڑھانے آتا تو آبدار بھی پاس جا کر بیٹھ جاتی، فضول میں اس کی غلطیاں نکالتی۔ کچھ دن تو بے چارے نے برداشت کیا پھر خاموشی سے بتائے بغیر آنا بند کر دیا۔ گھر میں یہ راز کسی کے علم میں نہیں تھا سوائے ان چاروں کے پھر بھی چچی رحمہ کو شک سا تھا۔ کچھ ایسا ہی شک بڑی چچی کو بھی تھا مگر اس نے بڑی صفائی سے ہر الزام کو جھٹلا دیا تھا۔ الٹا رونا شروع ہو گئی۔ اس معاملے میں وہ تینوں اسے گرو مانتے تھے۔ لیکن دونوں چچیاں اور تائی اماں اس سے سخت چڑتی تھیں۔

کنزہ بچپن سے لے کر اب تک سمجھاتی آئی تھیں۔ لیکن ہٹ دھرمی اس کی سرشت میں تھی۔ اسی عادت کی وجہ سے اس نے بہت سے خاموش مخالف اس گھر میں پیدا کر لیے تھے۔

اور مزے کی بات یہ کہ اسے ان مخالفین کی پروا ہی نہیں تھی۔ لیکن کنزہ کی فکریں اور خدشات اس کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھنے لگے۔ وہ خود خاموش طبع، صابر شاکر رہنے والی عورت تھیں۔ دیورانی جٹھانی نے کچھ کہہ بھی دیا تو خاموشی سے سن لیا، برداشت کر لیا۔ لیکن آبدار اس معاملے میں مکمل طور پر ان کی ضد تھی۔

☼ ☼ ☼

سعید الدین کے چار بیٹے عاشر احمد، یاسر احمد، حسان احمد، جلال احمد اور ایک بیٹی لبنیٰ تھی۔ سب کی شادیاں انہوں نے اپنی مرضی سے کیں۔ حسان احمد کی بات شروع سے ہی انہوں نے خاندان میں طے کر دی تھی۔ جب شادی کا وقت آیا تو اس نے بغاوت کر دی۔ اسے اپنی کلاس فیلو پسند تھی لیکن ادھر خاندان کی عزت کا سوال تھا۔ ماں نے دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دے دی۔ اس نے مجبوری میں سر جھکایا اور کنزہ کو بیاہ لایا۔ کنزہ مجبوری اور روایتوں کا سودا تھی جس کے دل میں کوئی اور

بسا تھا۔ سو کنزہ کے ساتھ اس نے وہی سلوک کیا جو کوئی ناپسندیدہ ہستی کے ساتھ کرتا ہے۔ کتنے کتنے دن تو وہ گھر ہی نہ آتا اور جب گھر میں ہوتا تو اس سے سیدھے منہ بات نہ کرتا۔ شادی کے پہلے دو سال یہی تماشا ہوتا رہا۔ اب تو سعید الدین بھی خاموش تھے۔ انہوں نے تو یہ سوچ کر زبردستی شادی کر دی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ حسان احمد شادی کے بعد بیوی بچوں میں مگن ہو کر گزشتہ محبت کو دل سے فراموش کر دے۔ مگر ان کی خوش فہمی دم توڑ چکی تھی۔ اب تو حسان احمد گلی گلی منڈلانے والا بھونرا بن چکا تھا۔

کنزہ گاؤں کی پروردہ سادہ دل، سادہ مزاج لڑکی تھی تعلیم بھی اتنی خاص نہیں تھی جبکہ حسان احمد اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ باقی دونوں بڑے بھائیوں کی بیویاں تعلیم یافتہ، پہننے اوڑھنے کے سلیقے سے آگاہ تھیں۔ ان کا موازنہ جب وہ کنزہ سے کرتا تو اپنے بد قسمت ہونے کا اور بھی یقین ہونے لگتا۔

سب سے چھوٹے بھائی جلال احمد کی شادی اس کے بعد ہوئی۔ اس کی بیوی بے حد ماڈرن، فر فر انگریزی بولنے والی کرنل متین صدیقی کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ جلال احمد شادی سے پہلے ہی رحمہ کو پسند کرتا تھا۔ جب وہ بیوی بن گئی تو وہ تو آسمان پہ اڑنے لگا۔ اسی وجہ سے حسان احمد کی ناراضی گھر والوں سے انتہائی حد تک بڑھ گئی۔ اس نے اپنا ٹرانسفر دوسرے شہر کروا لیا۔ باقی تینوں بھائی مل کر کاروبار کر رہے تھے۔ اس میں حسان احمد کا بھی حصہ تھا۔ مگر اس کی نفرت اور ناپسندیدگی کی انتہا تھی کہ وہ اس سے بھی لاتعلق تھا۔ اسی دوران اس کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ نے اسے بیٹی عطا کر دی۔

اطلاع کرنے کے باوجود وہ نہیں آیا۔ تب سعید الدین نے خود ہی بچی کا نام رکھا۔ بہت خوب صورت اور بھولی سی گول مٹول گڑیا جیسی تھی۔ سعید الدین نے اسے آبدار کا نام دیا۔

گھر میں وہی سب سے زیادہ اسے چاہتے تھے۔ وہ چار ماہ کی تھی جب حسان احمد نے پہلی بار اسے دیکھا۔ کنزہ کا خیال تھا کہ وہ بیٹی کو دیکھ کر خوش ہو گا لیکن اس نے کسی خاص تاثر کا اظہار نہیں کیا۔ ایک نظر دیکھنے کے بعد دوبارہ نظر اٹھانا بھی گوارا نہ کیا۔ جب بھی آتا، اس کا رویہ انتہائی لاتعلقی کا ہوتا۔ اسی عالم میں آبدار نو سال کی ہو گئی۔ ایک سرد اور اندھیری رات حسان احمد گھر آ رہا تھا تو اس کی گاڑی ٹرک سے ٹکرا گئی۔ زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ اس کی جوان میت گھر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ سعید الدین نے بڑے حوصلے سے جوان اولاد کی موت کا غم سہا لیکن ان کی اہلیہ برداشت نہ کر سکیں اور بیٹے کی وفات کے صرف دو ماہ بعد خود بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔

سعید الدین کے سر پہ بھاری ذمہ داری آ پڑی تھی۔ جوان بہو کے ساتھ ساتھ یتیم پوتی کے سر پہ بھی دست شفقت رکھنا تھا کیونکہ کنزہ نے میکے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ کنزہ کے ماں باپ دونوں وفات پا چکے تھے۔ وہ بھائی اور بھابھیاں تھیں۔ اس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ سسرال میں ہی پڑی رہے۔ اس کے اس فیصلے سے سب ہی کوئی خاص خوش نہیں تھے۔ لیکن سعید الدین کی وجہ سے کسی کو زیادہ مخالفت کی جرات نہیں ہوئی۔ ادھر کنزہ کے بھائی اس ذمہ داری سے جان چھوٹنے پہ خوش تھے۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

کنزہ کو قدم قدم پہ احساس دلایا گیا تھا کہ تم شوہر کی من چاہی بیوی نہیں ہو اس لیے وہ پہلے ہی گھر میں دبی دبی رہتی تھی۔ دیورانیاں جٹھانیاں سب کے سامنے مذاق اڑاتیں اور وہ طنز کا نشانہ بنتی۔

دوسری طرف آبدار تھی۔ بچپن سے ہی باپ کے پیار سے محروم۔ اس نے شروع سے ہی ماں کو گھر والوں کی جی حضوری کرتے اور ذرا ذرا سی بات پہ ڈرتے دیکھا تھا۔ حسان احمد اس کے لیے کسی مہمان سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ بس کھڑے کھڑے آتے اور چلے جاتے وہ اس سے کبھی پیار سے نہیں،

بولے تھے سنے بچپن تھا وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتی تھی کہ اوروں کی طرح اس کے ماں باپ اکٹھے کیوں نہیں رہتے۔ ہنستے بولتے کیوں نہیں۔ پاپا ممّا کو گاڑی میں فرنٹ سیٹ پہ کیوں نہیں بٹھاتے۔ اس کی ممّا تائی اور آنٹی کی طرح میک اپ کیوں نہیں کرتیں اچھے اچھے کپڑے کیوں نہیں پہنتیں۔ جس طرح گھر میں اوروں کی سنی جاتی ہے ممّا کی کیوں نہیں سنی جاتی۔ ایسے کتنے ہی سوال تھے جن کے جواب ڈھونڈنے کی وہ سعی کرتی رہتی۔

اس نے ممّا کو کبھی زور سے ہنستے نہیں دیکھا۔ بلکہ اکثر رات کو جب وہ لیٹتی تو ممّا دوسری طرف منہ کرکے روتیں۔ ممّا کو گھر میں سب عورتیں بھولی پاپا جاہل گنوار کہتے ان کا مذاق اڑاتے۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی اپنے سوالوں کے جواب بھی اسے ملتے گئے۔

کنزہ شوہر کی ناپسندیدہ ٹھکرائی ہوئی محروم عورت تھیں۔ آبدار تھی کسی کمزور لمحے کا انعام بن کر اس کی جھولی میں آگئی تھی۔ ورنہ ان کے لیے زیست اور بھی مشکل ہوتی۔

☼ ☼ ☼

آبدار کو قدم قدم پہ یہ احساس دلانے والے بہت سے لوگ تھے کہ تمہارے پپا نے تمہیں گود میں نہیں اٹھایا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ پارک میں لے کر نہیں گئے۔ وہ تمہیں چاکلیٹس لے کر نہیں دیتے۔ وہ تمہیں اپنے سینے پہ نہیں سلاتے۔ وہ تمہارے ساتھ کھیلتے نہیں۔ وہ تمہارے ساتھ رہتے بھی نہیں۔

تب اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ کتنی کرب سے بھری راتیں تھیں جو اس نے چھپ چھپ کر روتے گزار دی تھیں۔ ورشہ، عزہ، ثوبان کے پپا کتنے پیار سے ان سے بولتے تھے۔ تایا ابو بڑے چچا کے بچے اس سے بڑے تھے کچھ اس کے ہم عمر تھے۔ ایک گھر میں رہتے بستے تھے لیکن رہن سہن اور سوچوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ پپا کی وفات کے بعد آبدار کے اندر سرکشی ابھرنے لگی۔ اب وہ کنزہ کی باتوں کا پلٹ کر جواب بھی دینے لگی تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ اسے اچھی طرح پتہ تھا بڑے ابا کے سامنے یہ لوگ کچھ بھی نہیں بول سکتے دل میں جو بھی کہیں مگر ظاہر بڑے ابا کا حکم مانے بغیر چارہ نہیں۔ اس کمزوری کا وہ خوب خوب فائدہ اٹھاتی۔

میٹرک میں اس کی تھرڈ ڈویژن تھی۔ کسی اچھے کالج میں اس کا ایڈمیشن ہونا محال تھا۔ تب وہ روتی دھوتی بڑے ابا کے پاس پہنچی کہ مجھے بھی ورشہ اور عزہ کے کالج میں ایڈمیشن لینا ہے۔ وہ اس کی آنکھ میں آنسو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ تب انہوں نے بڑے بیٹے باشر احمد سے کہہ کر اس کا ایڈمیشن بھی ورشہ اور عزہ کے کالج میں کروا دیا۔ ان دونوں کو نیچا دکھا کر آبدار کو جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر تھی۔ حالانکہ دونوں نے اس کا نام ہی "نالائق" رکھا ہوا تھا۔ کالج میں وہ اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔

آبدار نے کالج میں آکر بھی پڑھائی کی طرف خاص دھیان نہیں دیا بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی۔ خاص طور پہ اسپورٹس میں اس کی دلچسپی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ایف ایس سی میں وہ رو دھو کر پاس ہوئی۔ ان کی ضد میں اس نے بھی ایف ایس سی کیا تھا۔ ایف ایس سی کے بعد ورشہ اور عزہ دونوں میڈیکل کے انٹری ٹیسٹ کی تیاری کرنے لگیں۔ یہاں آبدار ہار گئی کیونکہ دونوں کے مارکس بہت اچھے تھے۔ ورشہ کا ایڈمیشن ہو گیا جب کہ عزہ انٹری ٹیسٹ میں رہ گئی تو اس نے نئی کام میں ایڈمیشن لے لیا۔ اس کا پروگرام ایم بی اے کرنے کا تھا۔ آبدار کو تو حساب کتاب سے ویسے بھی وحشت ہوتی تھی سو اس نے مجبوراً "بی ایس سی" میں ایڈمیشن لیا۔ مضامین وہی تھے جن سے جان جاتی تھی۔ لہٰذا بڑے ابا نے ایک قابل استاد کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ عزت سے امتحان تو پاس کر لے۔

ان کی خواہش تھی کہ آبدار پڑھ لکھ کر کسی مقام پہ پہنچ جائے۔ ایسی ہی خواہش کنزہ کی بھی تھی۔ وہ چاہتی تھیں آبدار خوب پڑھے تاکہ اس کا مقدر ماں جیسا نہ ہو۔ کوئی اسے جاہل یا گنوار ہونے کا طعنہ نہ دے۔ وہ اپنی سسرال میں اچھی زندگی گزارے۔ لیکن آبدار کہاں سنتی تھی۔ اسے اپنی ضدیں پوری کرنے کی پڑی رہتی تھی۔ گھر میں نئے نئے جھگڑوں میں الجھنا اس کی عادت تھی۔ وہ سکون کا سانس کہاں لینے دیتی تھی۔

حالانکہ بڑی بھابی عاشر احمد کی بیوی عائشہ کئی بار کہہ چکی تھیں کہ بچی پر دھیان دو۔ چھوٹی بھابی رحمہ اور یاسر کی بیوی صوفیہ بھی باتوں باتوں میں سمجھا چکی تھیں کہ "آبدار کو سنبھالو۔ اس کے تیور اچھے نہیں ہیں۔ کسی وقت کچھ بھی کر سکتی ہے۔ کل کو کچھ ہو گیا تو سر پکڑ کر روؤ گی۔ اس کو نکیل ڈالو۔ اتنا سر نہ چڑھاؤ۔"

کنزہ ایسی باتوں پہ پریشان ہو جاتی تھیں اور کچھ نہ سوجھتا تو پکڑ کر آبدار کو پیٹ ڈالتیں۔ وہ بہت بے دردی سے مارتی تھیں لیکن مار کھانے کے کچھ ہی دیر بعد آبدار آنسو پونچھتی نئے عزم و حوصلے سے اٹھ کھڑی ہوتی۔

پورے گھر میں اسے اگر کوئی اپنا ہمدرد نظر آتا تو وہ بڑے ابا تھے۔ وہ اس کے آنسو پونچھتے چپکے چپکے آرام سے سمجھاتے کہ ماں کو تنگ نہ کیا کرو۔ وہ وعدہ کر لیتی لیکن ایسے وعدے توڑتے ہوئے اسے دیر نہیں لگتی تھی۔ ذرا کوئی بات ہوتی تو وہ کمر کس کے میدان عمل میں کود پڑتی۔ لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ سے وہ پیچھے ہٹنے والی نہیں تھی۔

اندر ہی اندر تائی جان، دونوں چچیاں اس سے سخت چڑتی تھیں۔ لیکن بڑے ابا کی وجہ سے کھل کر مخالفت کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ سعید الدین کا رعب دبدبہ تاحال برقرار تھا۔ اسی وجہ سے وہ بھی آبدار کو اہمیت دینے پہ مجبور تھیں۔

سعید الدین تو آبدار کو پیار محبت شفقت دے کر اپنی طرف سے حسان احمد کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی تلافی کر رہے تھے۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی یہ محبت مستقبل میں آبدار کے لیے مشکلات کے نئے باب کھولنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایمن پھوپھو اپنی فیملی کے ساتھ کینیڈا میں مقیم تھیں۔ ان کے شوہر کا وہاں اپنا بزنس تھا وہ شادی کے بعد وہاں شفٹ ہو گئی تھیں۔ وقتاً "فوقتاً" پاکستان آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ایک بیٹا ابوبکر اور ایک ہی بیٹی تھی ان کی۔ بیٹی کی تو انہوں نے شادی کر دی تھی اور اب بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش جاری تھی۔ ابوبکر نے ان سے کہا تھا کہ میرے لیے لڑکی پاکستان میں دیکھیں۔ وہ سرجری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ بہت قابل اور ذہین نوجوان تھا۔

سو ایمن کا پاکستان آنے کا پروگرام اچانک بنا تھا۔ وہ تین سال بعد آ رہی تھیں اور اس بار ابوبکر بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے اپنے آنے کے مقصد سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ سو ہر طرف جوش و خروش کی کیفیت تھی۔

گھر میں جوان لڑکیاں موجود تھیں۔ ان کے لیے مناسب بر ڈھونڈے جا رہے تھے اور ابوبکر اس کے لیے بہترین

انتخاب تھا۔ اپنے طور پہ سب ہی تیاری کر رہے تھے۔

٭ ٭ ٭

مہذب اور دھیمے لہجے میں بولنے والا ابوبکر سب کو ہی بہت اچھا لگا تھا۔ آبدار کو بھی وہ پسند آیا تھا۔ بس اسے ایک شکوہ تھا کہ ابوبکر بھائی بولتے کم ہیں۔

وریشہ نے ان کی آمد پہ کالج سے خصوصی طور پہ چھٹی لی تھی تاکہ ابوبکر کو بھرپور کمپنی دے سکے۔ ابوبکر بھی اس کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ یہ بات چچی کے لیے بڑے اطمینان کا باعث تھی۔ البتہ رحمہ اندر ہی اندر جز بز ہو رہی تھیں۔ آمنہ تو خیر ابھی بچی ہی تھی لیکن عزہ تو ابوبکر کے جوڑ کی تھی۔ سات آٹھ سال عمر کا فرق ضرور تھا لیکن یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔ ابوبکر کا مستقبل بہت روشن تھا۔ اس کے پاس کینیڈا کی شہریت تھی۔ مطلب جس لڑکی کی شادی اس کے ساتھ ہوتی اس کے عیش ہی عیش تھے کیونکہ ایمن بہت بے ضرر، خوش باش طبیعت کی تھیں اور خود ابوبکر۔ اسے ناپسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

٭ ٭ ٭

معزز سامعین آپ کی سماعتوں کو تازگی بخشنے کے لیے ماسی پھندے باز تشریف لا رہی ہیں۔ پیش ہے وہ اپنا تازہ کلام پیش کرتی ہیں۔

ابوبکر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے نیند کے غلبے میں تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پہ دراز تھا۔

روزانہ کی طرح ان چاروں نے آج بھی یہاں محفل جمائی تھی۔ انہیں خبر نہیں تھی کہ ابوبکر بھی ادھر ہی ہے۔ اس نے سارے مشاعرے کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ماسی پھندے باز مشہور غزلوں اور نظموں کی ٹانگ بڑی بیدردی سے توڑ رہی تھی۔ اور شاہ میر جو ٹکڑے لگا رہا تھا اس پہ اس نے بمشکل ہنسی ضبط کی تھی۔

اک بات کہوں دلدارا

تیری آنکھ نے مجھ کو مارا

تیرا سُتّے منہ سارا

اس نسوار نے مجھ کو مارا

گاتے گاتے اس نے شاہ میر کو بڑے زور سے کرسی تھپڑ جڑ دیا تھا۔ کیونکہ گانے کے ساتھ ساتھ وہ گگی مقابلہ بھی کر رہی تھی۔ سب کچھ اتنا بے ساختہ تھا کہ ابوبکر صوفے سے اٹھ کر ان کے پاس آ گیا۔

آبدار جو عالم وجد میں آنکھیں بند کیے دھمال ڈال رہی تھی، ایک دم سے ہڑبڑا گئی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہو سکتا ہوں؟" ابوبکر نے مسکراہٹ چھپا کر سنجیدگی سے پوچھا۔ آبدار بہت شرمندہ تھی کیونکہ دھمال ڈالتے ہوئے اس نے بال کھول کر آگے ڈال لیے تھے اور دوپٹہ کمر کے گرد باندھ لیا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" میڈیکل کی خشک تعلیم کے دوران اس نے ایسی تفریح کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھی کتابی کیڑا تھا۔

کینیڈا میں ان کا خاندان بہت مختصر تھا۔ یہاں آ کر اسے بھرپور انداز میں خاندانی زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا تھا اور وہ کھل کر انجوائے کر رہا تھا۔ آبدار کا اس نے آج ایک نیا روپ دیکھا تھا۔ زندگی کی حرارتوں، شوخیوں، شرارتوں سے چمکتا دمکتا۔ گھر کی دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں اس کے شوق بھی مختلف تھے۔ کالج میں جمناسٹک کے مقابلوں میں وہ حصہ لیتی رہتی تھی لیکن اب اسے مارشل آرٹس سیکھنے کا شوق چڑھا تھا۔ اس نے بڑے ابا سے کہہ کر ایک انسٹیٹیوٹ میں داخلہ بھی لے لیا تھا جہاں مارشل آرٹس صرف ایک ماہ میں سکھانے کا دعوا کیا جاتا تھا۔ پہلے ہفتے میں ہی وہ ٹانگ کا ستیاناس کروا کر آ گئی۔ یہ شوق ختم ہو کر اب گھر میں پریکٹس کرنے تک رہ گیا تھا۔ اس کے اس طرح کے شوق ختم ہونے والے نہیں تھے فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن کے دوران ہی وہ این سی سی کی ٹریننگ لے چکی تھی۔

ایک دن صفائی کے دوران اس کی نظر بڑے ابا کی

شکاری رائفل پہ پڑی تو ایک آئیڈیا ذہن میں آیا کہ اپنے نشانے کو پکا کیا جائے۔ لیکن بڑے ابا کے سوا گھر میں کسی کو ہتھیاروں سے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ خود وہ اب بوڑھے ہو چکے تھے۔ اسے کہاں نشانے بازی کی تربیت دیتے۔ اس کی نظر انتخاب تایا ابو کے سیوت باسط احمد پہ پڑی۔ کیونکہ اس کے پاس بھی اپنی حفاظت کے لیے ایک ریوالور موجود تھا۔ آبدار تو پھر ان کے پیچھے ہی پڑ گئی کہ مجھے بھی سکھائیں۔

اس کے پروگرام بن ہی رہے تھے کہ ایمن پھوپھو آ گئیں۔ اب سارا وقت ان کی نذر ہو رہا تھا۔

پھوپھو اس سے بہت پیار کرتی تھیں۔ آبدار کو بڑے ابا کے بعد اگر کوئی اچھا لگا تو وہ پھوپھو ہی تھیں۔ کتنے پیار سے پاس بٹھا کر اس کی تعلیم، مشاغل، دیگر دلچسپیوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ اسے اپنا آپ بہت معتبر لگا تھا۔ بس اپنی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے اسے شرمندگی ہوئی تھی۔ اپنی قابلیت کا اسے بخوبی پتہ تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ لیکن پھوپھو نے اسے اوروں کی طرح ملامت نہیں کی تھی۔

ابوبکر نے ماں سے کچھ وقت مانگا تھا۔ اس کے سامنے وریشہ، عزہ اور آبدار تینوں تھیں۔ وریشہ خود میڈیکل اسٹوڈنٹ تھی۔ بلا کی ذہین اور چالاک دوسرے نمبر پہ عزہ تھی۔ رحمہ ماں کی طرح مغرور اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والی۔ پھر آبدار تھی تصنع اور بناوٹ سے مبرا بہت منہ پھٹ، کھری کھری سنانے والی۔

اس نے آبدار کا ہی انتخاب کیا اور یہ بات بہت حیران کن تھی۔ کیونکہ کسی نے سوچا بھی نہیں تھا ابوبکر، آبدار کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ نالائق بدسلیقہ اٹھنے بیٹھنے کے آداب سے عاری آبدار کسی کو پسند آ سکتی ہے۔

سعید الدین بہت خوش تھے انہوں نے فیصلہ کرنے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگائی تھی اور کنزہ کی تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔

جانے سے پہلے ایمن کوئی ہلکی پھلکی رسم کرنا چاہتی تھیں تاکہ رشتہ پکا ہو جائے۔ سب گھر والوں کی

موجودگی میں انہوں نے انگوٹھی آبدار کی انگلی میں پہنا دی۔

باقاعدہ دھوم دھام سے منگنی کرنے کا پروگرام اگلے سال تھا جب ایمن کے شوہر مناف اور بیٹی عبیرہ بھی پاکستان آتے۔ فی الحال ان کا آنا مشکل تھا تب ہی انہوں نے رسمی سی کارروائی پہ اکتفا کیا۔

سب لوگ ایمن کے اس عمل سے دل ہی دل میں سخت کبیدہ خاطر تھے۔ وریشہ کو سو فیصد یقین تھا کہ ابوبکر اسے ہی چنے گا اور وہ اس وجہ سے انجانے سے زعم میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ادھر عزہ کا بھی یہی حال تھا۔ اب آبدار انہیں اپنی خوشیوں کی سب سے بڑی دشمن لگ رہی تھی۔ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ آبدار نے چکر چلا کر ابوبکر کو پھانسا ہے۔ اگر اس کے سامنے کوئی یہ بات کہتا تو یقیناً وہ کہنے والے کا منہ توڑ کر رکھ دیتی۔ لیکن یہ باتیں پیٹھ پیچھے ہوتی تھیں۔ عزہ کو تو حد سے زیادہ دکھ تھا کیونکہ اسے اپنی اسمارٹ نیس پہ بہت ناز تھا۔ وہ کپڑے بھی ایسے ہی پہنتی تھی جن میں اس کی جسمانی دلکشی اور خطوط بہت واضح ہوتے تھے۔ اس معاملے میں وریشہ نے اعتدال کا دامن تھاما ہوا تھا۔ جبکہ آبدار مکمل طور پہ لاپروا تھی۔ اس نے کپڑوں اور فیشن کی کبھی پروا نہیں کی جو دل چاہتا پہن لیتی۔ ایک ایک جوڑے میں چار چار دن نکل جاتے۔ شرٹ کی فٹنگ اور تراش خراش پہ اس نے کبھی زیادہ دھیان نہیں دیا تھا کبھی اکثر جینز پہ کرتا پہن کر پھرتی رہتی۔

شاہ میر، آمنہ اور عمر کے ساتھ کھیل رہی ہوتی تو شرٹ کا اوپری بٹن کھلا ہی ہوتا۔ آستینیں فولڈ ہوتیں اور اکثر وہ پینٹ کے پائنچے بھی اوپر چڑھا لیتی۔ وہ لڑکوں کے ساتھ خود کو لڑکا ہی تصور کرتی۔ شاہ میر، آمنہ اور عمر اتنے بھی چھوٹے نہیں تھے۔ شاہ میر آبدار کے ساتھ کرکٹ کھیلتے ہوئے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا کرتا۔ وہ اچھل اچھل کر شاٹ کھیلتی۔ اس کے تن بدن میں جیسے بجلیاں کوندتیں۔ شاہ میر بے چارا تو خوف زدہ ہی رہتا۔ گھر میں سب سے زیادہ اس کی آبدار سے ہی بنتی۔ کچھ ایسا ہی حال آمنہ اور عمر کا بھی تھا۔ آبدار نے ان

کے اور اپنے درمیان عمروں کا فرق مٹایا ہوا تھا۔ وہ بے تکلف دوستوں کی طرح بات کرتے۔ آبدار نے احترام ولوب کے معاملے میں انہیں کھلی چھٹی دی ہوئی تھی مل کیا تو آپی کہہ لیا ورنہ آبدار کہہ کر یا یار کہہ کر کام چلا لیا۔

کنزو سب کچھ دیکھتیں اور جی ہی جی میں کڑھتیں۔ وہ لاکھ سمجھاتیں لیکن آبدار ڈھیٹ تھی۔ اس پہ مطلق اثر ہونے والا نہیں تھا۔ تنگ آکر کنزو نے اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ لان کی طرف جانے والی تین سیڑھیوں میں سے سب سے اوپر والی سیڑھی پہ بیٹھی اپنے ہی خیالوں میں گم تھی جب بڑی خاموشی سے ابوبکر بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کے کلون کی مخصوص خوشبو سے وہ فوراً متوجہ ہوئی۔ ابوبکر اس کے بہت قریب تھا۔ بڑے نامحسوس سے انداز میں وہ پیچھے ہوئی تھی۔ اگر کنزو اس وقت آبدار کی کیفیت کو جانچ سکتیں تو بہت خوش ہوتیں کیونکہ اس نے بالکل لڑکیوں کی طرح ری ایکٹ کیا تھا۔

"ہم کل جا رہے ہیں۔" ابوبکر نے اس کی طرف دیکھے بغیر مطلع کیا تو وہ ہولے سے سر ہلا کر رہ گئی۔

"کچھ بولو تو سہی آبدار! اتنی چپ کیوں ہو؟" ابوبکر نے اس کی اداسی و خاموشی بھانپ لی تھی۔

"میں سوچ رہی تھی آپ کے اور پھوپھو کے آنے کے بعد وقت کتنا تیزی سے گزرا، پتہ ہی نہیں چلا۔ میں بہت مس کروں گی اس خوب صورت وقت کو۔" کھوئے کھوئے اداس لہجے میں بولنے والی یہ آبدار پہلے والی آبدار سے یکسر مختلف نظر آرہی تھی۔

"میں بھی بہت مس کروں گا۔" ابوبکر نے بڑی توجہ سے اس کے چہرے پہ نظر جمائی۔

"پتہ ہے میں سوچتا ہوں کہ تم وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کرتی ہو۔۔۔ خیر آج اپنی پسند ناپسند کے بارے میں کھل کر بتاؤ۔" ابوبکر نے اس کے چہرے پہ پھیلتی بے

چینی دیکھ کر بات ہی بدل دی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

"مجھے بہار کا موسم اور سردیوں کی بارش بہت پسند ہے۔ میرا دل چاہتا ہے ایک پھولوں سے درختوں سے ڈھکی لمبی سی سڑک ہو اور میں بارش میں اس سڑک پہ چلتی جاؤں چلتی جاؤں، بہت دور اتنی دور کہ کوئی مجھے ڈھونڈ ہی نہ پائے اور میں بارش میں بھیگتی جاؤں، دونوں بازو کھول کر بارش کی بوندوں کو خود میں سمیٹ لوں۔ مجھے سردیوں کی لمبی لمبی چاندنی راتیں بھی بہت پسند ہیں۔ میرا سمندر کے کنارے ٹہلنے کو بھی جی چاہتا ہے آپ کو پتہ ہے مجھے بہت پرانے پرانے سنگر پسند ہیں اور میرے پاس بہت زبردست کلیکشن موجود ہے۔ آپ کو سناؤں، دیکھیں گے؟" وہ ایک دم سے پھر سے پرانی والی آبدار نظر آنے لگی۔

"کون کون سے سنگر کی کلیکشن ہے؟" ابوبکر نے دلچسپی ظاہر کی۔

"میرے پاس غلام علی، مہدی حسن، اے نیئر، نیو نور کے ساتھ ساتھ محمد رفیع، لتا جی، وہالی، مکیش، سلیم رضا، ایس بی جون کے بہت ہی خوب صورت نمبرز ہیں۔ آپ نے وہ سنا ہے۔ لے عشق ہمیں برباد نہ کرا در دی رہے ہیں ہم تنہا آہیں نہ بھری شکوے نہ کیے؟"

"نہیں میں نے تو نہیں سنے یہ سونگ۔" ابوبکر نے شرمندگی سے بتایا۔

"میں آپ کو گفٹ کروں گی سب۔ وہاں جا کر سن کر بتائیے گا مجھے پھر۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے میں سنوں گا سب۔" اس نے فوراً ہامی بھری۔

"مجھے یہ جو سامنے والی دیوار کے ساتھ بیل اوپر جا رہی ہے نا، آتشی گلابی پھولوں والی مجھے بہت اچھی لگتی ہے صبح کے وقت اس بیل پہ اتنے ڈھیر سارے پھول کھلے ہوتے ہیں اور جیسے ہی دھوپ نکلتی ہے تو ان کے منہ بند ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ کاسنی پھولوں والا پودا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو ہوا کے زور سے

اس کے سارے پھول ٹوٹ کے نیچے گر جاتے ہیں۔ میں انہیں اٹھا کر کشتیاں بناتی ہوں۔ لان میں اس جگہ بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ میں پھولوں کی کشتیاں اس پانی میں چھوڑتی ہوں۔ تو یہ پھول بہت کیوٹ لگتے ہیں جب ہچکولے لیتے ہیں۔" وہ بچوں کی سی خوشی سے بتا رہی تھی۔

"اور یقین کرو، تم بھی بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔" ابوبکر کی بے ساختہ تعریف پہ وہ جھینپ سی گئی۔

"آپ آئیں میں آپ کو اپنی میوزک کلیکشن دکھاتی ہوں۔" آبدار نے اچانک اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ لان کی طرف آتی صوفیہ نے بڑی باریک بینی سے اس منظر کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے ہونٹوں پہ بڑی طمانیت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔ آبدار ان سے بے خبر ابوبکر کو لیے اپنے کمرے کی طرف آگئی تھی۔

ابوبکر پہلی بار اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس نے ایک بات اندر داخل ہوتے ہی محسوس کر لی تھی کہ وریشہ اور عزہ کے مقابلے میں آبدار کا کمرہ ویل ڈیکوریٹڈ نہیں ہے۔ آبدار نے یہ بات زیادہ دیر اسے سوچنے نہیں دی اور میوزک سنوانے لگی۔

"یہ سنیں آپ ایس بی جون کا تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

ابوبکر کو میوزک سے خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن اس کا دل رکھنے کی خاطر وہ پوری دلچسپی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور یہ کلاسیکل نمبر آپ نے آج سے پہلے بھی نہیں سنا ہو گا۔" اس نے نئی سی ڈی پلیئر میں ڈال کر آن کر دی۔

آہیں نہ بھرے شکوے نہ کیے
کچھ بھی نہ زباں سے کام لیا

وہ جوش و خروش سے خود بھی بول دہرا رہی تھی۔

"آبدار! تمہاری چوائس اتنی مختلف کیوں ہے؟" ابھی آبدار جس سونگ کے بارے میں بتا رہی تھی وہ بلا مبالغہ پچاس ساٹھ سال سے پہلے کمپوز کیا گیا تھا۔

"یہ ساری بابا کی چوائس تھی۔ مما نے بتایا تھا مجھے۔ یہ سب ان کی کلیکشن تھی میں نے بہت حفاظت سے رکھا اور بعد میں سب کو سی ڈی میں محفوظ کر لیا کیونکہ کچھ ریکارڈز بہت نایاب ہیں۔ مشکل سے ملتے ہیں۔"

"تمہیں اپنے بابا سے بہت محبت ہے۔" ابوبکر نے انجانے میں اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آپ بیٹھیں۔ مجھے شاید مما آواز دے رہی ہیں۔" وہ بہانے سے وہاں سے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

ابوبکر اور ایمن پھوپھو کی فلائٹ کا وقت ہو رہا تھا۔ جانے سے پہلے وہ آبدار کی طرف آیا جو ذرا ہٹ کر برآمدے کے ستون کے پاس کھڑی تھی۔

"میں نے مامی کو اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیا ہے۔ بہت جلد واپس آؤں گا۔ تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے۔ میرا انتظار کرنا اور اپنی پڑھائی پہ دھیان دینا۔"

ابوبکر کے لہجے میں دبی دبی سی چاہت تھی۔ اس نے ایک بار بھی زبان سے اپنی چاہت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن لاکھ چھپانے کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ ظاہر ہو ہی گیا تھا۔

"اور ہاں تمہاری میوزک کلیکشن میں مجھے ایک سونگ بہت اچھا لگا تھا۔ اس دن تم جب باہر چلی گئی تھیں کمرے سے۔ میں نے تب سنا تھا اور میں نے تمہیں بتانا بھی تھا۔ تم اس وقت ساتھ ہوتی تو مجھے بہت اچھا لگتا۔

چلے تھے ساتھ مل کر، چلیں گے ساتھ مل کر
تمہیں رکنا پڑے گا میری آواز سن کر

یہ میری بھی درخواست ہے۔"

باقی سب ان دونوں کو ہی دیکھ رہے تھے۔ ابوبکر مڑ کر اور وں کی طرف آگیا۔ سب سے مل کر ایمن پھوپھو اور ابوبکر ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"باسط بھائی! مجھے چھرے والی بندوق چاہیے میں

روز مشق کیا کریں گی۔" لہجے میں انتہائی عاجزی اور مسکینی تھی۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی آفس سے آکر بیٹھا تھا۔ آبدار اس کے پیچھے ہی تو پڑ گئی۔ جب تک اس نے ہاں نہیں بھری وہ ادھر ہی جمی رہی۔

باسط 'ناشر احمد' کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ چار سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی۔ انکم ٹیکس آفیسر تھا اور بڑے ٹھیک ٹھاک عہدے پہ تھا۔ اس کی بیوی بھی بڑے اچھے خاندان کی تھی۔ اعلا تعلیم یافتہ اور ناک پہ مکھی نہ بیٹھنے دینے والی۔ عمارہ بریگیڈیر مرتضیٰ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ انہوں نے باسط کا روشن مستقبل اور کماؤ عہدہ دیکھ کر رشتہ دینے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگائی تھی۔ انہوں نے بیٹی کے ساتھ دل کھول کر جہیز بھی دیا تھا۔ لہٰذا سسرال میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔

شادی کے دوسرے ماہ ہی اس نے باسط کو الگ پورشن میں شفٹ ہونے کے لیے مجبور کرنا شروع کر دیا تھا۔ تائی نے بڑی خوش دلی سے اجازت دے دی کیونکہ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ ان کے بیٹے کو الگ گھر میں تو نہیں لے کے جا رہی تھی۔ گھر ایک ہی تھا پورشن الگ تھا صرف۔ انیکسی سے پیچھے کافی زمین خالی پڑی تھی۔ حال ہی میں وہاں نئی تعمیر ہوئی تھی سو عمارہ اور باسط ادھر شفٹ ہو گئے۔

عمارہ کو اپنی قابلیت اور خاندانی بڑائی کا زعم تھا اور وقتاً" فوقتاً" وہ اس اظہار بھی کرتی رہتی لیکن اس معاملے میں باسط بھی پیچھے نہیں تھا اس لیے وہ دبنے یا مرعوب ہونے والا نہیں تھا۔ وہ احساس کمتری کا شکار نہیں تھا اس لیے زندگی اچھی ہی گزر رہی تھی۔ اب تو اس کا بیٹا بھی ڈھائی سال کا ہو چکا تھا جس کو عمارہ سے زیادہ آیا پال رہی تھی۔

شادی کے بعد عمارہ کا وزن بہت تیزی سے بڑھا تھا۔ وہ آیان کو زیادہ دیر گود میں بھی نہیں لے سکتی تھی نہ زیادہ جسمانی کام کر سکتی تھی۔ وزن کی زیادتی کے سبب اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ وہ لیڈیز کلب کی ممبر تھی۔ روز شام کو تیار ہو کر ڈرائیور کے ساتھ جم خانہ چلی جاتی۔ جہاں اس کی اور فرینڈز بھی باقاعدگی سے آتی تھیں۔ باسط کتنی بار وزن کم کرنے کا کہہ چکا تھا اور وہ کوشش بھی کرتی لیکن زبان کے چٹخارے ان کوششوں کو ناکام بنا رہے تھے۔

خود باسط اسمارٹ باقاعدہ کسرت کرنے والا تھا۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود وہ لگتا نہیں تھا اور اس کے حلقے کے لوگ برملا اس کے منہ پہ اظہار بھی کرتے تھے۔ لیکن دوست احباب کے تبصرے بھی عمارہ زیادہ توجہ سے نہ سنتی۔ اسے تو اتنا پتا تھا کہ باسط اس کا شوہر ہے اور رہے گا۔ سو وہ مزے سے کھا پی کر زندگی گزار رہی تھی۔

باسط کی آج چھٹی تھی اور عمارہ آیان کے ساتھ میکے گئی ہوئی تھی۔ سو آبدار بہت خوش تھی کیونکہ باسط بھائی پوری توجہ سے اسے سکھا رہے تھے۔

"یہ لو ٹرائگر پہ انگلی رکھو ایسے۔" باسط آبدار کی پشت پہ کھڑا تھا۔ اس کے دونوں بازو آبدار کو تقریباً" گھیرے ہوئے تھے۔ آبدار کی پشت باسط کے سینے اور کندھے کو چھو رہی تھی۔ باسط نے اس کا نرم و نازک ہاتھ پکڑ کر ٹرائگر پہ انگلی رکھوائی اور دبانے کا اشارہ کیا۔ آبدار نے بڑی مہارت سے ہدایات پہ عمل کیا۔ آج کی مشق خاصی طویل تھی۔

اس نے گلے میں پیلا پولکا ڈاٹ سے اسکارف ڈالا تھا اور آج جو شرٹ پہنی تھی۔ اس کے اوپری بٹن بھی حسب عادت کھلا ہوا تھا۔ باسط کی نظریں بڑی خاموشی سے اس کا طواف کر رہی تھیں آبدار کو احساس ہی نہیں تھا۔

"کمنگ سنڈے کو میں تمہیں اپنا ریوالور دوں گا اور شہر سے باہر مضافات میں چلیں گے تو تم وہاں ریوالور چلا کے دکھانا مجھے۔" باسط نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ بہت خوش ہوئی۔

باسط بھائی اسے بہت اچھے لگنے لگے تھے۔ اس سے پہلے آبدار کی ان سے بے تکلفی نہیں تھی۔ سو وہ ٹھیک ٹھاک غصے والے نظر آتے تھے اس تعاون سے اس کا حوصلہ بڑھا تھا۔ اب وہ بھی وقت بے وقت ان کے

پورشن میں چلی جاتی۔

اپنے وعدے کے مطابق اتوار کو وہ اسے شہر سے باہر لے گیا۔ اپنا ریوالور بھی بڑی فراخدلی سے اس نے آبدار کو دے دیا اور درختوں پہ کچھ نشان لگائے۔ یہ آبدار کے لیے ٹارگٹ تھا۔ دس میں سے چار کو وہ نشانہ بنا سکی لیکن باسط نے بڑے زور سے اسے تھپکی دی۔

"تم بہت جلدی سیکھ جاؤ گی۔ اگلے اتوار کو پھر تمہیں یہاں لاؤں گا۔" باسط بھائی بڑی محبت سے کہہ رہے تھے۔

آبدار کی توجہ پڑھائی سے مکمل طور پہ ہٹی ہوئی تھی۔ وہ تو بس اپنی دنیا میں مگن تھی۔ اسے تو خوشی تھی کہ وہ چھروں والی بندوق سے ریوالور پہ آ گئی ہے اور اس کا کریڈٹ یقیناً" باسط بھائی کو جاتا تھا۔ انہوں نے اسے بہت خوب صورت سوٹ بھی گفٹ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آبدار کچھ پریشان سی ہوئی لیکن عادت کے مطابق بہت جلد بھول بھال گئی۔

☼ ☼ ☼

شاہ میر' ہمنہ' عمر تینوں آبدار کے ساتھ کرکٹ کھیل رہے تھے۔ آبدار عمر کو باؤلنگ کروا رہی تھی۔ باسط اوپر ٹیرس پہ کھڑا ان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ بلکہ وہ صرف آبدار کو دیکھ رہا تھا۔ باؤلنگ کرواتے ہوئے آبدار کی پشت اس کی جانب تھی۔ بھاگتے ہوئے اس کی کمر پہ پڑی بالوں کی چوٹی بڑے زور سے ادھر ادھر ہل رہی تھی۔ اچانک سے اس کے ذہن میں عمارہ کی کمر آ گئی جو اب کمر نہیں کمرے کی صورت اختیار کر گئی تھی۔

موٹا تھل تھل کرتا جسم عمارہ کو اپنی عمر سے زیادہ ظاہر کرنے لگا تھا اور وہ موٹاپے کی وجہ سے چڑچڑی ہوتی جا رہی تھی۔ باسط نفیس طبیعت کا مالک نفیس چیزوں کو پسند کرنے والا تھا۔ اب تک آبدار اس کے لیے صرف ایک کزن ہی تھی اور اس نے کبھی اسے تھوڑی سی بھی اہمیت نہ دی تھی۔ وہ گھر کا پہلا پوتا تھا سو اس کی اہمیت کہیں زیادہ تھی۔ اب شاہ میر باؤلنگ کروا رہا تھا اور آبدار فیلڈ پہ کھڑی تھی۔ وہ اچھی طرح دیکھ سکتا تھا کہ اس کا پر بہار وجود کتنی رعنائیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ باسط بڑی محویت سے اسے گھور رہا تھا۔ عمارہ جم خانے گئی ہوئی تھی' اس لیے وہ اپنے مشغلے میں آزاد تھا۔

☼ ☼ ☼

ابو بکر کو گئے چھ ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے' اس نے اس دوران ایک دو بار اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ اس کی پڑھائی بہت ٹف تھی۔ ہاں ایمن پھوپھو ہفتے میں دو فون لازمی کرتی تھیں۔ اور سب کے ساتھ ساتھ آبدار سے بھی بات ہو جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

مما اندر سو رہی تھیں' جب وہ باہر نکل آئی۔ موسم کافی خوب صورت ہو رہا تھا۔ وہ اپنی پسندیدہ جگہ پہ آ کر بیٹھ گئی۔

چلے تھے ساتھ مل کے' چلیں گے ساتھ مل کر
تمہیں رکنا پڑے گا میری آواز سن کر

وہ بڑے موڈ میں گنگنا رہی تھی' جب باسط اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ یک دم جھینپ کر خاموش ہو گئی۔

"چپ کیوں ہو گئیں گاؤ نا بہت خوب صورت آواز ہے تمہاری۔" وہ بڑی بے تکلفی سے تعریف کرنے لگا۔ مگر وہ خاموش رہی۔

"آبدار تمہیں پتا ہے تم کتنی خوب صورت ہو۔" پہلی بار آبدار کو ان کا لہجہ اور نظر دونوں بدلے ہوئے محسوس ہوئے۔

"میرا مطلب ہے تمہاری آواز' مشاغل اور سوچ بہت خوب صورت ہے۔ تم عام لڑکیوں کی طرح فیشن اور گوسپ پر دھیان نہیں دیتی ہو۔" انہوں نے پینترا بدلا تو وہ بھی مطمئن ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ان کی باتوں پر قہقہے لگا رہی تھی' ہنستے ہوئے اس کا پورا سراپا سمندر میں ابھرتی موج کی طرح ہلکورے لے رہا

تھا۔ باسط کے لیے یہ منظر آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث تھا۔

ابو بکر اس کی آنکھوں کو کچھ خواب سونپ گیا تھا۔ جس کی تعبیر ملنے کے دن قریب آرہے تھے۔

☼ ☼ ☼

آبدار کے امتحانات ہو چکے تھے۔ آج کل چھٹیوں کا موسم تھا۔ اسی عالم میں عاشر احمد کے چھوٹے بیٹے طلحہ احمد کی شادی کی بات طے ہوئی۔

عاشر احمد کی اولادوں میں طلحہ سب سے چھوٹا اور غیر شادی شدہ تھا۔ باقی باسط اور دو بہنیں اپنے اپنے گھروں کی تھیں۔ طلحہ کمرشل پائلٹ تھا اس کی بات ایک کلاس فیلو سے طے کی۔ وہ بھی تعلیم سے فارغ تھی اس لیے بزرگوں نے دونوں کو ایک بندھن میں باندھنے کا فیصلہ کیا۔ گرمی تھی لیکن تعلیمی اداروں میں چھٹیوں کے سبب نوجوان نسل بہت خوش تھی کہ شادی آرام سے انجوائے کریں گے۔

ان خوش ہونے والوں میں آبدار بھی شامل تھی۔ بہیجہ جیسے اس نے سوچ لیے تھے۔ ایمن پھوپھو کی آمد بھی متوقع تھی۔ اس کی خوشی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ شاید ان کے ساتھ ابو بکر بھی آئے اور باقی فیملی بھی۔

اس نے پہلی بار بڑے چاؤ سے کپڑے سلوائے تھے۔ اسے احساس تھا کہ کسی کے لیے وہ بہت اہم ہے۔

بالآخر کنفرم ہو گیا کہ ایمن پھوپھو پوری فیملی کے ساتھ آرہی ہیں۔ طلحہ کی مہندی کی رات ان کی فلائٹ تھی اور بہرحالت یہ انہوں نے لازمی گھر پہنچ جانا تھا۔ طلحہ کے ولیمہ کے بعد آبدار اور ابو بکر کی منگنی کا پروگرام تھا۔

کنزہ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھولے ہوئے تھے حالانکہ انتظام سارا سعید الدین کو کرنا تھا لیکن پریشان وہ تھیں۔ ان سب سے بے نیاز آبدار ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن چبا رہی تھی کیونکہ اضطراری حالت میں وہ اکثر وبیشتر ناخن چباتی تھی جس سے ان کی نشوونما ہونے کے برابر تھی۔

یہ جو دولہن والے آئے ہیں
اف اللہ
سارے للو پنجو آئے ہیں
اف اللہ
دولہن کی ماں کا میک اپ تو دیکھو
سارے ... بھی شرمائے ہیں
اف اللہ
یہ جو دولہن والے آئے ہیں
اف اللہ

سب سے اونچی آواز آبدار کی تھی۔

شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ لڑکیوں کی پر زور فرمائش پہ ڈھولکی منگوائی گئی تھی۔ روز رات کو گانوں کے مقابلے ہوتے۔ دولہن والوں کو ہرانے کے لیے آبدار بڑی محنت کر رہی تھی۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر شادی کے گانے گائے جاتے۔ آنکھ عمر اور شاہ میراب بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

آبدار نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے گانے یاد کیے تھے کہ سن کر ہی دولہن والوں کو نانی یاد آجاتی۔ طلحہ کی کلاس فیلو عائزہ کسی کو بھی پسند نہیں تھی لیکن حسان احمد کا تلخ ماضی سب کے سامنے تھا اس لیے عائزہ اور عاشر دونوں نے مخالفت نہیں کی اور طلحہ کی خواہش پر ہی عمل کیا۔ مگر موقع ملتے پہ اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرنے سے وہ باز نہیں آتی تھیں۔

مہندی سے ایک دن پہلے آبدار فائنل ریہرسل کر رہی تھی۔ سب ہی بہت بڑھ چڑھ رہے تھے۔ خاص طور پہ تائی اماں اور ان کی دونوں صاحبزادیاں۔

سجنی کنگنا پہنیں گے
کہ ہم نہ ناچا کریں گے
تمہری ماں میری ساس
وہ تو ہے چولہے کی راکھ

اس کو چھیکا کریں گے کہ
ہم تم ناچا کریں گے

یہ گانا طلحہ کی ساس کے لیے تھا اس لیے آبدار کو خوب داد ملی۔ وہ پوری قوت سے تالیاں پیٹ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

گانے گا گا کر اور تالیاں بجا بجا کر آبدار کا گلا اور ہاتھ دونوں ہی تھک گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کل مہندی تھی اور پرسوں ایمن پھوپھو فیملی سمیت آنا تھا۔ کل کے فنکشن کے لیے اس نے پوری تیاری کر لی تھی۔

کنزہ، دیورانیوں اور جٹھانی سمیت ابھی ابھی بازار گئی تھیں۔ طلحہ کی دونوں بہنیں اور ورشہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ عمارہ ان سے پہلے ہی اپنے میکے سے بھابھی کے ساتھ بازار کی خاک چھان رہی تھی۔ اسے اپنے لیے میچنگ سینڈل لینے تھے۔ بڑے ابا کیا سمیت اپنے دوست کی طرف شادی کا دعوت نامہ دینے گئے ہوئے تھے۔

جلال اور یاسر شادی کے انتظامات کا جائزہ لینے ہوٹل گئے ہوئے تھے جو انہوں نے شادی کے لیے بک کروا لیا تھا۔ طلحہ بھی کہیں باہر نکلا ہوا تھا۔

باسط اپنے کمرے میں تھا۔ اس نے چھٹیاں لے رکھی تھیں اور آج اس کی چھٹی کا پہلا دن تھا۔

☼ ☼ ☼

آبدار نے جو سوٹ مہندی میں پہننا تھا سامنے ہینگر میں لٹکا تھا۔ اس کے جی میں آئی کہ پہن کر دیکھا جائے۔ ساتھ سینڈل، جیولری اور دیگر لوازمات بھی تھے۔ وہ ہینگر سے سوٹ اتار کر باتھ روم میں چلی گئی۔ پہن کر باہر نکلی تو آئینے کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

لمبی کلیدار شرٹ ٹراؤزر کے ساتھ بہت سج رہی تھی۔ اس نے میچنگ جیولری اور سینڈل بھی پہنے۔ مہندی اس نے ایک دن پہلے زندگی میں پہلی بار لگوائی تھی۔ مہندی کی مہک اور خوش رنگی اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔ اس نے کلائی تک باقاعدہ دولہن کی طرح ڈیزائن بنوایا تھا۔ وہ ہر زاویے سے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی کہ دروازہ کھول کر اچانک باسط بھائی اندر آگئے۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔

"ارے واؤ امیزنگ یو آر لکنگ سو بیوٹی فل۔"

اس روپ میں آبدار کو پہلی بار دیکھا تھا۔ انہیں اپنا دل ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہوا۔ آبدار نے گویا انہیں بہت متاثر کر دیا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے ایک چیز لی ہے، تو دکھاؤں۔" باسط نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس کی گرفت میں سختی تھی۔

"باسط بھائی! کیا ہو گیا ہے۔ آپ چلیں میں آتی ہوں کپڑے بدل کر۔"

"نہیں ایسے ہی چلو۔" باسط پہ ضد اور شیطان بیک وقت سوار ہوئے تھے۔

وہ باسط کے پورشن میں اس کے ساتھ گویا زبردستی آئی تھی کیونکہ اس کا بازو باسط کی گرفت میں تھا۔ آبدار کے سامنے اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا تاکہ وہ اچانک بدک نہ جائے۔ اس کے گھر میں کوئی نہیں تھا اور پری کاموں کے لیے رکھا گیا لڑکا فضو تک نہیں۔

عمارہ چار سال میں ہی اس کے دل سے اتر گئی تھی۔ اس میں اب کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ اب وہ صرف گوشت کا گھل گھل کرتا بے ہنگم وجود تھی۔

ادھر آبدار تھی چڑھتی ندی کی مانند پرشور شوریدہ سر۔ اگر وہ ضد نہ کرتی تو باسط کبھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ نشانہ پکا کرنے کی غرض سے اس نے اپنی قسمت میں ہی ٹھوکریں لکھ ڈالی تھیں۔ اسے کیا پتہ تھا کہ باسط کی نظر بدل گئی ہے۔ اپنی ذات سے حد درجہ لاپروائی باسط کو متوجہ کرنے کا سبب بنی تھی۔ وہ خوب صورت تھی۔ کم سن تھی اور کم عقل بھی۔ اسے آسانی سے مطلب برآری کے بعد خاموش کروایا جا سکتا تھا۔

اور آج بہت مناسب وقت تھا۔ گھر میں کوئی نہیں

تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتا تھی۔ اس کا پورشن الگ سمت میں تھا۔ کسی کے آنے کا امکان بھی نہیں تھا۔

"میں چاہ رہا تھا تمہارے ساتھ شکار پہ چلوں۔ ایک نئی رائفل لی ہے میں چاہتا ہوں تم بھی دیکھ لو۔ میرے بیڈ روم میں پڑی ہے۔"

آبدار اپنی دھن میں اندر آئی۔ اس کے پیچھے باسط تھا۔

شام کے سائے اتر رہے تھے۔ بیڈ روم کی لائٹ آف تھی۔ اس لیے اندھیرا سا تھا۔ آبدار کو پہلی بار خوف سا محسوس ہوا۔

"لائٹ کیوں آف ہے؟" سراسیمگی اس کے لہجے سے جھانک رہی تھی۔

"لو آن ہو گئی لائٹ" باسط نے کہنے کے ساتھ ہی لائٹ جلا بھی دی۔

"کہاں ہے رائفل؟"

"وہ بھی دکھاتا ہوں۔" وہ دراز میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"یہ دیکھو میں نے گولڈ کی چین بھی تمہارے لیے لی ہے۔" وہ دراز بند کر کے اس کی طرف آیا۔ چین اچھی خاصی موٹی تھی۔

"یہ میں نہیں لے سکتی باسط بھائی!" آبدار نے ان کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

"یہ تمہیں لینی پڑے گی۔ میں نے صرف تمہارے لیے لی ہے اور ہاں اب مجھے بھی بھائی نہ کہنا۔" باسط کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

"میں نہیں لے سکتی معافی چاہوں گی۔"

"انہیں مت ہٹانا۔ یہ میرے پیار کا پہلا تحفہ ہے قبول کر لو۔" باسط کے تیور نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی لیکن ایک ہی جست میں باسط اس سے پہلے دروازے پہ پہنچ گیا اور لاک کر دیا۔

"پلیز مت جاؤ' بیٹھ جاؤ' میں بہت پیاسا ہوں۔ عمارہ مجھے خوشی نہیں دے سکی ہے۔ میں سیراب ہونا چاہتا ہوں صرف ایک بار تم بہت پیاری ہو تم نے ہاتھوں پہ جو مہندی لگائی ہے ناں یہ مجھے پاگل کر رہی ہے۔ صرف ایک بار اپنا تھوڑا سا پیار مجھے دے دو۔ صرف ایک بار پلیز آبدار....."

"باسط بھائی پلیز! مجھے جانے دیں۔ میں آپ کی بہنوں کی طرح ہوں۔" باسط نے اس کے منہ پہ اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آئندہ نہ کہنا تم تو میرا پیار ہو۔" باسط نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ کی طرف لے جانا چاہا۔ مگر وہ پورا زور لگا کر ایک بار پیچھے ہو گئی۔

"پلیز باسط بھائی! مجھے جانے دیں' آپ میرے لیے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔"

باسط نے بڑے زور کا تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا۔

"مجھے ان ناموں سے نہ پکارو۔" اس نے بڑی سختی سے اسے بازوؤں کے حلقے میں جکڑا اور بیڈ پہ گرا دیا۔

آبدار نے ان کے ایک ہاتھ پہ زور سے کاٹنا چاہا لیکن اس نے چھڑا لیا۔ اس کی وحشتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ آبدار نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ لیکن باسط نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروا دیا۔ آبدار کو اپنی عزت خطرے میں نظر آ رہی تھی۔

باسط نے اس کے اوپر جھک کر دونوں کلائیوں سے اسے جکڑ کر بے بس کر ڈالا تھا۔ آبدار ایک بار پھر پوری قوت سے زور لگا کر چلائی۔

باہر سے دوڑتے قدموں اور تیز تیز باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یقیناً" اس کی چیخوں نے گھر والوں کو متوجہ کر دیا تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی آبدار نے اور بھی زور سے چلانا شروع کر دیا۔

یک دم باسط نے اسے بالوں سے پکڑ کر پوری قوت سے پیچھے دھکا دیا۔

"ذلیل' تماشا کروا رہی ہے مجھے۔ تیری اتنی ہمت' تیری تو میں....؟"

باسط کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ' پاؤں اور زبان تیزی سے چل رہے تھی

باہر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا۔ اس افتاد سے سنبھلنے کا آبدار کو موقع ہی نہیں ملا۔ باسط کی چالاکی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا اور خون جاری ہو گیا تھا۔ تب باسط نے دروازہ کھولا۔ لیکن اس حال میں کہ آبدار کے لمبے گھنے بال اس نے بڑی سختی سے ہاتھوں میں جکڑ رکھے تھے کنزہ' رحمہ' صوفیہ' آمنہ ان کی دونوں بیٹیاں 'تایا ابو' عمارہ سب کھڑے تھے۔

"سنبھالیں اپنی لاڈلی کو۔ اس سے تو اپنی جوانی سنبھالی نہیں جا رہی ہے آپ ہی کچھ ہوش کریں۔"

باسط نے پوری قوت سے اسے کنزہ کی طرف دھکا دیا۔ وہ ڈری سہمی کھڑی ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھیں۔ اپنی لاڈلی کو دگرگوں حالت میں دیکھ کر وہ کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھیں۔

"ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔" سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ اس شور سے گھر کے باقی افراد بھی ادھر پہنچ گئے تھے۔

خواتین شاپنگ کرنے نکلیں تو آگے ٹریفک جام تھا کافی دیر کھڑے رہنے کے بعد اطلاع ملی کہ دھماکہ ہو گیا ہے راستہ بند ہے۔ سو وہ ادھر سے ہی پلٹ آئیں۔ عمارہ بھی اس ہنگامے سے پہلے گھر کی طرف نکل آئی تھی۔ ڈرائیور اسے چھوڑنے آیا تھا۔ جونہی گیٹ کے سامنے اتری' پیچھے سے وہ سب بھی پہنچ گئیں۔ اکٹھے آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں۔ ان سے چند منٹ قبل عاشر احمد' سعید الدین کے ساتھ واپس آئے تھے وہ آتے ہی نماز میں مصروف ہو گئے۔ آبدار کی چیخوں نے سارے گھر کی خواتین کو ہلا دیا۔ عمارہ ویسے بھی اپنے پورشن کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے پیچھے وہ سب تھیں۔ سعید الدین نماز توڑ کر ادھر آ گئے تھے۔

"یہ کافی روز سے میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں مجھے قبول کر لیں۔ آج اس کی ہمت دیکھیں آپ سب کی غیر موجودگی میں یہ میرے کمرے میں پہنچ گئی اور پھر بس۔"

باسط نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولنے کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ تائی' آبدار کی طرف بڑھیں۔

"ڈائن تجھے میرا گھر ہی ملا تھا۔ اسی لیے تیری ماں کو کہتی تھی کہ سنبھالو اسے۔ ایک دن تیری بیٹی تجھے خون کے آنسو رلائے گی اور وہ دن آگیا آج۔"

تائی اماں نے لگاتار چار پانچ طمانچے اسے رسید کیے۔ سب گم صم کھڑے دیکھ رہے تھے۔ تب آبدار نے بولنے کی ہمت کی۔

"باسط بھائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ مجھے زبردستی میرے کمرے سے بلوا کر لائے کہ میں نئی رائفل لایا ہوں تم بھی دیکھ لو اور یہاں آکر انہوں نے دروازہ بند کر لیا اور مجھے ایک چین بھی دی کہ تمہارے لیے لایا ہوں آپ دیکھ لیں۔ اندر پڑی ہوئی۔" وہ ہاتھوں سے آنسو بھی صاف کرتی جا رہی تھی اور بولتی بھی جا رہی تھی۔

"جھوٹ بکتی ہے یہ۔" باسط نے آگے بڑھ کر اس کے پہلو میں زوردار ٹھوکر رسید کی تو وہ درد کی شدت سے دوہری ہو گئی اس سے پہلے کہ وہ دوسری ٹھوکر رسید کرتا کہ سعید الدین درمیان میں آ گئے۔

"اندر جا کر دیکھو جو آبدار کہہ رہی ہے۔" ان کی آواز میں رعب و دبدبہ تھا۔ باسط ادھر ہی رک گیا۔

عمارہ سمیت رحمہ' صوفیہ' عائلہ' وریشہ سب اندر چلی گئیں۔ مگر چین وہاں ہوتی تو ملتی ناں۔ وہ تو حفاظت سے باسط نے پینٹ کی جیب میں ڈال لی تھی' اس خطرے کا اسے پہلے سے احساس تھا۔ اس نے بڑی سفاکی دکھائی تھی۔

چین کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ عمارہ پہلے خاموش تھی لیکن چین نا پا کر اس کے اندر کی عورت بھی بیدار ہو گئی۔ آبدار کا کمزور ناتواں وجود اس کے قبضے میں تھا۔ حسب توقع تائی جان بھی اس کی مدد کر رہی تھیں کہ چھٹانک بھر کی لڑکی نے ان کے لاڈلے عزت دار سپوت پہ کتنا شرمناک الزام لگایا تھا۔ رحمہ اور صوفیہ تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ ان میں سے کسی نے بھی ان دونوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے دل میں برسوں کا عناد تھا آبدار کے لیے۔ انہیں عمارہ اور عائلہ کے ذریعے غبار نکالنے کا موقع مل رہا تھا سو وہ

کیوں رو کتیں۔

سعید الدین بت بنے کھڑے تھے۔ انھیں گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ مار کھا کھا کر آبدار نیم جان ہو گئی تھی۔

"ایسی اولاد کو تو گلا گھونٹ کر مار دینا چاہیے۔" تائی اماں نے نفرت سے لان پہ تھوکا۔ تب کنزہ کو گویا نیند سے جاگیں وہ آبدار پہ چل پڑیں اور دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے اس کا گلا دبانے لگیں۔ تب کہیں جا کر عاشر احمد اور سعید الدین کو ہوش آیا۔ انھوں نے بمشکل تمام آبدار کو چھڑایا۔

اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ وہاں سے اپنے کمرے تک دوبارہ کیسے آئی۔ جسم و جان کی اذیت ہی بے معنی ہو گئی تھی۔ اس کے جسم پہ جابجا نیل پڑے ہوئے تھے۔ چہرے پہ خراشیں اور دائیں آنکھ سوج چکی تھی۔ نچلا ہونٹ کونے سے پھٹا تھا۔ سر کے بال نچے ہوئے تھے اس کی دائیں ٹانگ مضروب تھی اور پہلو میں بھی شدید چوٹیں لگی تھیں۔

درد کی شدت سے وہ نیم بے ہوش تھی۔ سعید الدین نے بڑی مشکل سے اسے اکیلے خود اٹھا کر گاڑی میں لٹایا تھا۔ انھوں نے کسی سے بھی مدد نہیں مانگی تھی۔ جلال، یاسر اور عاشر کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ انھوں نے اپنے آنے جانے کے لیے کل وقتی ڈرائیور رکھا ہوا تھا۔ وہی ڈرائیونگ سیٹ پہ تھا۔ عائلہ، صوفیہ اور رحمہ تینوں دیکھ رہی تھیں۔ ان میں سے کسی نے بھی آگے آنے کی کوشش نہیں کی۔ جلال، یاسر اور عاشر پہلے ہی ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ بلکہ یاسر اور جلال تو اس سارے ہنگامے کے بعد گھر آئے تھے۔ انھیں نمک مرچ لگا کر آبدار کے گھٹیا پن کا قصہ سنایا گیا۔

کنزہ بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔ اس دنیا میں ہوتے ہوئے بھی وہ یہاں کا حصہ نہیں لگ رہی تھیں۔ انھوں نے سعید الدین کو دیکھا تھا جب وہ آبدار کو یہاں سے لے کر جا رہے تھے۔ مگر ان کی نگاہوں میں اجنبیت تھی۔ انھوں نے ایک بار بھی آگے بڑھ کر بیٹی کو سنبھالا نہیں دیا۔ رہ رہ کر عائلہ کی باتیں دماغ کو کچوکے لگا رہی تھیں۔

"ایسی اولاد کو تو گلا گھونٹ کر مار دینا چاہیے۔ یہ تربیت کی ہے تم نے بیٹی کی تمہاری تربیت نے آخر اپنا رنگ دکھا ہی دیا۔ تمہاری بیٹی ایک شادی شدہ مرد پہ ڈورے ڈالتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہے اتنے سارے لوگوں کے سامنے۔ اب تو خود دیکھ لیا آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنی لاڈلی پوتی کا کارنامہ۔"

رحمہ، صوفیہ کے ساتھ ساتھ عائلہ بھی سعید الدین کو سنا رہی تھیں۔ ان کے کندھے یکدم ہی جھک گئے تھے۔ وہ سب بول رہے تھے۔ عاشر احمد نے ایک بار بھی اپنی بیوی سمیت کسی عورت کو بھی چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔

کنزہ کو وہ سب جملے رہ رہ کر یاد آ رہے تھے۔ ان کی حالت بہت بری تھی۔ انھوں نے آبدار کو ایک بار بھی چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کھڑی اسے بری طرح پٹتے دیکھتی رہیں۔ انھیں یاد نہیں تھا کہ بچپن سے لے کر آج تک انھوں نے کبھی آبدار کو کسی شرارت یا نقصان پہ مارا ہو۔ ایسا کوئی لمحہ ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ باپ کے پیار سے محروم بچی کو انھوں نے کبھی ڈانٹا تک نہیں تھا اور آج جب مارنے پہ آئیں تو گویا سب ریکارڈ ہی توڑ دیے۔ سب رشتے ہار گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

سعید الدین آبدار کو قریبی پرائیویٹ کلینک لائے تھے۔ ڈاکٹر ان کا شناسا تھا۔ اس نے آبدار کو فوری طبی امداد دی۔ کوئی ایسی خطرے کی بات نہیں تھی۔ لیکن اسے بہت بے دردی سے مارا گیا تھا۔ باسط اونچا لمبا طاقت ور مرد تھا۔ اس نے بھی خواتین سمیت کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ آبدار کے لیے گھٹنے بری طرح چھلے ہوئے تھے۔ ہسپتال کے ایک کمرے میں سفید براق بیڈ پہ آبدار لیٹی ہوئی کراہ رہی تھی۔

سعید الدین نے اب غور سے اس چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ دھیا بازوؤں پہ کتنی گہری خراشیں پڑی تھیں۔

ان کی گردن کے گرد نشان بھی تھے۔ ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انھوں نے کبھی تو کسی بات کو نہیں رولا تھا۔ شور و غل اور واویلے سے وہ بھی وقتی طور پہ گھبرا گئے تھے تب ہی تو لاڈلی پوتی آبدار کے لیے ایک لفظ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلا تھا۔

ان کا دل وہ سب کچھ ماننے کے لیے کسی طرح بھی آمادہ نہیں تھا جو باسط سمیت وہ سب کہہ رہے تھے۔ باسط نے اس تیزی سے پینترا بدلا تھا کہ آبدار اپنی بے گناہی کا یقین بھی نہیں دلا پائی تھی۔ سب نے وہ تماشا دیکھا تھا۔ کسی کو نہیں پتا تھا بند کمرے میں کیا ہوا۔ سب وہ تو باسط کا یقین کر رہے تھے۔ آبدار نا قابل یقین ٹھہری تھی۔

دیکھے نہ کوئی ظاہر اپنا اندر ڈالے جھات
ہم نے کچھ نہ باہر رکھا اندر اپنی ذات
جب سے خود کو دیکھا ہم نے سو نہ سکے دن رات
دیواروں کو تکتے رہے اور کر نہ سکے کوئی بات
دل کی عمارت بجھی ہے اور آنکھوں میں برسات

✡ ✡ ✡

رات تک ڈاکٹر نے انھیں فارغ کر دیا تھا۔ آبدار کو ساتھ لیے جب وہ گیٹ کے سامنے اترے تو اندر لوگوں کی چہل پہل جاری تھی۔ اس بات کا انھیں اندازہ تو تھا لیکن واپسی میں یہ بات ان کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ تبھی دوبارہ گاڑی میں بیٹھے اور ڈرائیور کو گاڑی پچھلے دروازے کی طرف موڑنے کو کہا جدھر سرونٹ کوارٹرز تھے۔

آبدار خاموشی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی۔ کنزہ سامنے بے جان سے انداز میں بیٹھی تھیں۔ سعید الدین نے دواؤں والا لفافہ انھیں تھمایا اور وقت پہ دوائی دینے کی ہدایت کی۔ انھیں بہت دکھ تھا کہ ان کی اولاد میں سے کسی نے بھی ابھی تک یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اتنی دیر ہو گئی ہے۔ ان کی خبر ہی لے لیں۔ آبدار کو چھوڑ کر وہ دوسرے حصے کی طرف آ گئے۔ تب عاشر، یاسر وغیرہ ان کے پاس آ گئے۔

"ابو جان کہاں تھے آپ۔۔۔ مہمان بار بار آپ کا پوچھ رہے ہیں۔"

"میں تمہارے سامنے ہی تو آبدار کو ہسپتال کے لیے لے کر گیا تھا۔" انھوں نے اندرونی غصے پہ قابو پا کر نرمی سے کہا تو دونوں سر ہلا کر رہ گئے۔

انھوں نے آبدار کے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔

انھیں بیٹوں کی بے حسی پہ شدید رنج تھا۔ عورتوں میں سے بھی کسی نے آبدار کا حال پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

کل مہندی کی تقریب تھی۔ کنزہ اور آبدار کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایمن بھی اپنے شوہر اور دونوں بچوں کے ساتھ پہنچ رہی تھیں۔ وہ آبدار کی اس حالت کا کیا جواز بتائیں گے سب کو۔ سعید الدین اس وقت ایک ماں کی طرح فکر مند تھے اور ان کی سوچ اسی نکتے کے گرد چکرا رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

رات کو پلاتر رحمہ کی شکل نظر آئی۔ وہ ٹرے سجا کر لائی تھیں۔ وہ تو بہت کچھ دیکھنے سننے کی تمنا لے کر آئی تھیں۔ کنزہ اداس سی بیٹھی تھیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ رحمہ نے بڑی ہمدردی دکھائی۔

"تم کچھ بھابھی! کچھ کھا لیں۔ اب اولاد ایسی نکل آئے تو بندہ کیا کر سکتا ہے۔ سزا چھوڑ بھی تو نہیں سکتا ہیں۔ آبدار کی پہلی غلطی ہے۔ آئندہ احتیاط کرے گا اور چلیں اب کچھ کھا لیں۔" فکر کے پردے میں انھوں نے ہمدردی جتائی اور آخر میں انھیں خیال آیا کہ کچھ مرہم بھی لگایا جائے۔

اندر لیٹی آبدار نے ان کا ایک ایک لفظ سنا اور یہ پہلا موقع تھا جب اس کے بارے میں کوہر افشانی ہو رہی تھی اور وہ چپ تھی۔ چپ تو کنزہ بھی تھیں۔ انھوں نے محض ایک بار زخمی نگاہوں سے رحمہ کی طرف دیکھا جو کھانے کا نوالہ ان کی طرف بڑھا رہی

تھیں۔

"اور ہاں اب جتنی جلد ہوسکے آبدار کی شادی کردو۔" جاتے جاتے انہوں نے پھر ہمدردی دکھائی۔ کنزہ کے لبوں پہ تھکی تھکی سی مسکراہٹ تھی۔

آبدار دن بھر ڈھولک بجاتی رہی تھی۔ خوشی میں کھانے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ اب رات ہو چلی تھی نہ اسے بھوک پیاس کا احساس تھا اور نہ ہی کنزہ نے ابھی تک کھانے کا پوچھا تھا۔ رحمہ کی لائی ہوئی کھانے کی ٹرے جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔

بڑی دیر بعد کنزہ نے وہ ٹرے اٹھا کر آبدار کے پاس پلنگ پہ رکھی۔

"کھانا کھاؤ۔" بہت سرد اور روکھا لہجہ تھا۔ کسی بھی قسم کی ممتا کے احساس سے عاری۔ جیسے وہ بیٹی سے نہیں کسی فقیر سے مخاطب ہوں۔

آبدار کی تو بھوک ہی مری ہوئی تھی۔ اس نے ایک نوالہ بھی نہیں توڑا۔ البتہ کنزہ نے اسے دوائی کھانے کے لیے دودھ ضرور گرم کر کے دیا۔

وہ رات بہت لمبی اور وحشت ناک تھی۔ کسی طرح گزرنے میں نہیں آرہی تھی۔ اس رات کی ہولناکی آبدار پہ پوری طرح عیاں تھی تب ہی تو تکلیف اور اذیت کے باوجود اسے نیند نہیں آئی۔ جسمانی تکلیف تو تھی ہی صبح تک وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

شام کے بعد طلحہ کی مہندی کی وجہ سے ماحول کی رنگا رنگی میں یکایک اضافہ ہو چلا تھا۔ اس نے کتنے پروگرام بنائے تھے زندگی میں پہلی بار شوق سے شاپنگ کی تھی اچھے اچھے کپڑے بنوائے تھے۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا مہمانوں کی آمد بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈھول ڈھمکوں کی آوازوں نے اعلان کر دیا کہ لڑکی والے آچکے ہیں۔

کنزہ ادھر ہی تھیں۔ سب کو سنبھالا دے کر وہ ادھر گئی تھیں۔ لوگوں کے سوالوں سے بچنے کے لیے وہ یہاں آگئی تھیں۔ اور اب دعا کر رہی تھیں کہ کوئی بھی آبدار کی غیر حاضری کا سبب نہ پوچھ لے۔ سعید الدین نے ہی کہا تھا کہ جو ہو چکا ہے گھر سے باہر کسی کو بھی اس کی بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی کہ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔

سب سے پہلے باسط کی ساس نے کنزہ سے پوچھا "تمہاری بیٹی نظر نہیں آرہی کہاں ہے؟"

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کچھ۔ وہ سو رہی ہے۔" جواب دیتے ہوئے انہوں نے نظر چرائی تھی۔

"طبیعت خراب تھی تو تم بھی اس کے پاس رہتیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" ان کا انداز طنز آمیز اور کاٹ دار تھا۔ کنزہ ان کے سامنے سے ہی ہٹ گئیں کہ مبادا وہ کچھ اور ہی نہ پوچھ لیں۔

رحمہ، عائلہ اور صوفیہ کے رشتہ داروں میں سے سب نے ہی آبدار کی غیر حاضری کا سبب معلوم کیا۔ ہونٹوں پہ دبی دبی طنزیہ مسکراہٹوں نے کنزہ کو احساس دلایا کہ انہیں آبدار کی حرکت کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔

صبح ہونے سے پہلے ایمن بھی شوہر اور بچوں سمیت پہنچ گئیں۔ سب جاگ رہے تھے اگر ان میں کسی فرد کی کمی تھی تو وہ صرف اور صرف آبدار اور کنزہ کی تھی اور اس کمی کا احساس ایمن کو "فوراً" ہو گیا۔

"بھابھی اور آبدار نظر نہیں آرہیں کہاں ہیں؟"

جواب دینے سے پہلے عائلہ نے سعید الدین کی طرف دیکھا ادھر تھا تنگی سی تھی انہوں نے خود ہی جواب دیا۔

"آبدار کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ کنزہ ادھر ہی ہے۔" عائلہ ان کے بولنے پہ بدمزہ سی ہو گئیں۔

کافی تھکان تھی ان سب کو۔ سعید الدین نے کچھ دیر آرام کرنے کو کہا۔ دن میں طلحہ کی بارات بھی تو جانی تھی۔ وہ مناسب موقعے کے انتظار میں تھے تاکہ ایمن سے خود بات کر کے غلط فہمی کا ازالہ کر سکیں۔ لیکن کا دل کسی طرح بھی یہ بات ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھا کہ آبدار کوئی ایسی حرکت کر سکتی ہے۔ ضرور باسط کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ پھر وہ سونے کی چین کا بھی ذکر کر رہی تھی جو باسط اسے دینا چاہتا تھا۔ لیکن کمرے کی تلاشی لینے پہ چین بھی نہیں ملی۔ پتہ نہیں یہ سب

کیسے اور کیوں ہو گیا تھا۔ سعید الدین کو آنے والا وقت ڈرا رہا تھا۔ اس بات کا علم ہونے پہ جانے ابوبکر اور ایمن کا کیا ردعمل ہوتا۔ اپنی طرف سے وہ پوری کوشش کر رہے تھے کہ اس بات کو ادھر ہی دبا لیں۔

✿ ✿ ✿

طلحہ کی بارات لے جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ جب کنزہ کی ایمن اور دیگر فیملی سے ملاقات ہوئی۔ آبدار ان کے ساتھ نہیں تھی۔ ایمن نے بے تابی سے اس کے بارے میں پوچھا تو کنزہ نے انہیں بھی یہی بتایا کہ آبدار کی طبیعت خراب ہے۔ پاس عائلہ اور صوفیہ کھڑی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

ابوبکر کی نگاہیں بھی آبدار کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

ایمن بارات نکلنے سے پہلے کنزہ کے پورشن کی طرف آئیں۔ باہر تالا پڑا ان کو منہ چڑا رہا تھا۔ بڑے ابا کا تھکا تھکا انداز، بھائیوں کی پراسرار خاموشی اور بھابیوں کی طنزیہ مسکراہٹ انہیں احساس دلا رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔

ابھی وہ ادھر کھڑی سوچ ہی رہی تھیں کہ کنزہ اس طرف آتی نظر آئیں۔ ایمن کو دیکھ کر وہ گھبرا سی گئیں جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہوں۔

"یہ تالا کیوں لگایا ہوا ہے؟"

"دراصل میں اندر آبدار اکیلی لیٹی ہے تو۔۔۔" انہوں نے بودی سی دلیل دی اور تالا کھول کر انہیں اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ آبدار سر منہ لپیٹے سو رہی تھی۔ بدن میں کسی جنبش کے آثار تک نہیں تھے۔

ایمن نے قریب جا کر اس کے منہ سے چادر اتار دی۔ وہ نیم غشی کے عالم میں تھی۔

"آبدار! آبدار! کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر انہیں دیکھ کر دوبارہ پلکوں کی چلمن گرا دی۔ اسے آنکھیں کھولنے میں شدید دشواری ہو رہی تھی۔

"کنزہ! اس کی طبیعت کب سے خراب ہے؟"

"پرسوں سے۔" کنزہ نے نگاہیں چراتے ہوئے کسی مجرم کی طرح جواب دیا۔

"کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"جی ہاں بڑے ابا لے گئے تھے ڈاکٹر کے پاس۔"

"یہ اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہے۔ جب میں یہاں سے گئی تھی تو اچھی خاصی تھی۔ تین ماہ میں اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی ہے۔ یقین نہیں آتا اور تم اس کے پاس ہی رکو گی کہ جاؤ گی بارات کے ساتھ؟"

"نہیں میں گھر میں ہی رہوں گی۔ کسی کا یہاں رہنا بھی تو ضروری ہے۔" انہوں نے رسان سے جواب دیا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے تم اس کے پاس ہی رہو۔ بارات بھی کوئی دور تو جانی نہیں ہے۔ ہم لوگ جلد آئیں گے۔ پھر تفصیل سے بات ہو گی۔ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔" ایمن نے نیم جان سی آبدار کے ماتھے پہ پیار کرتے ہوئے کہا۔

✿ ✿ ✿
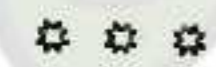
بارات چلی گئی تھی۔ کنزہ آبدار کے پاس بیٹھی اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اب اٹھ بھی جاؤ۔ کب تک مکر کر کے پڑی رہو گی۔ عزت کا جنازہ تو نکال دیا ہے تم نے۔ جو بات منہ سے نکالی پوری کی اور تم نے یہ صلہ دیا۔ تمہارے خاندان کے خون میں ہی وفا نہیں ہے۔ تمہارے باپ کے لیے کیا کچھ نہیں کیا میں نے اس سے یہی ملنا تھا مجھے۔ تمہارے جیسا تحفہ 'میرا سر جھکا دیا ہے' تم نے شادی میں آئے ہوئے لوگوں کو بھی تمہارے کارنامے کا علم ہو گیا ہے۔ اب مجھے ڈر ہے کہ ایمن کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے۔ تم بھی میرے جیسا مقدر لے کر پیدا ہوئی ہو۔ سیاہ مقدر کالے کوئلے سے لکھا ہوا مقدر ہے تمہارا ابھی میری قسمت کا سایہ بھی بالآخر تم پہ پڑ ہی گیا ہے۔ میں کتنی خوش تھی کہ تمہارا رشتہ ابوبکر کے ساتھ ہو جائے گا اور تم وہ سب خوشیاں پاؤ گی

جو میرے حصے میں نہیں آئیں۔ لیکن میری خوشی کا دور بہت ہی کم تھا۔

اس وقت ممتاز ترس اور غصے کے ملے جلے جذبات ان پہ حاوی تھے۔

آبدار کے کانوں میں ان کے کچھ لفظ پڑ رہے تھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ کچھ بولنا چاہ رہی تھی۔ لیکن بے بسی کی شدت سے اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ ان میں سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوئی۔

اس نے بڑی مشکل سے ہاتھ ان کی طرف بڑھایا جیسے انہیں تھام لینا چاہتی ہو۔ بیٹی کی نگاہوں میں لکھی بے گناہی کی تحریر بڑی واضح تھی۔ کمزوری کی شدت سے وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ ان کے دل پہ براہ راست چوٹ پڑی۔ آبدار نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ یہ لمس بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ کنزہ کے دل پہ چھائی گرد آہستہ آہستہ چھٹنے لگی۔ ان دو دنوں میں وہ بہت روئی تھیں۔ رحمہ اور صوفیہ کے علاوہ اور کسی نے ادھر جھانکا تک نہیں تھا اور تو اور اس کا سایہ بنے رہنے والے آمنہ، عمر اور شاہ میر بھی اس طرف نہیں آئے تھے۔

رحمہ اور صوفیہ ہمدردی کی آڑ میں بہت کچھ تلخ باتیں سنا گئی تھیں۔ زہر میں بجھی زہریلی بچھو کے ڈنک لگاتی باتیں۔ انہوں نے سر اور آنکھیں جھکا کر سنی تھیں۔ دوسرے کمرے میں لیٹی آبدار نے بھی سنی ہوں گی۔ لیکن ان کی طرح وہ بھی چپ رہی تھی۔ پتا نہیں اس میں اتنا صبر کہاں سے آ گیا تھا۔

"ہم ہم... امی ی ی۔" وہ بمشکل بول پائی۔

"میں جانتی ہوں کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم لاکھ شرارتی، جذباتی، احمق، جلد باز سہی لیکن تم کردار کی ہلکی نہیں ہو۔ مجھے پتا ہے۔" کنزہ اس پہ جھک آئی تھیں۔ آبدار کے آنسو بہہ رہے تھے تو کنزہ بھی رو رہی تھیں۔

"میں بہت کمزور ہوں۔ کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ تمہاری پھوپھو بھی آ گئی ہیں۔ اب جانے کیا ہو گا؟ بڑے ابا نے منع کیا تھا کہ یہ بات پھیلنی نہیں چاہیے مگر میں جانتی ہوں کہ اسے نمک مرچ لگا کر پھیلایا گیا ہو گا۔"

کنزہ نے آبدار کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے کمزور سے سہارے کا احساس دلایا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایمن الجھی الجھی سی تھیں۔ خود ابوبکر اس وقت سے پریشان سا تھا جب سے عمانے اسے آبدار کی طبیعت کی خرابی کا بتایا تھا۔

طلحہ کی بارات واپس آ گئی تھی۔ رسموں کے بعد سب خواتین اور بچے ہال میں جمع تھے۔

"پتا نہیں آبدار کو کیا ہو گیا ہے۔ اچھا خاصا چھوڑ کر گئی تھی، اب بہت کمزور ہو رہی ہے۔ مجھے تو دیکھ کر شاک سا لگا ہے۔ کنزہ بھابھی بھی بہت پریشان ہیں۔ میں نے انہیں منع کر دیا تھا بارات کے ساتھ جانے سے کہ آبدار کی طبیعت خراب ہے تم اس کے پاس رہو۔"

ایمن صوفیہ سے مخاطب تھیں۔ پاس ہی ان کی دوسری دو بھابھیاں اور بھائیوں کی اولادیں بھی تھیں۔

"ہاں بہت اچھا کیا جو نہیں گئیں۔ جوان اولاد کو اکیلا چھوڑنا بھی نہیں چاہیے۔ آج کل کی لڑکیوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کس وقت کیا کر جائیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ برا زمانہ آ گیا ہے۔" صوفیہ نے توبہ توبہ کرتے ہوئے کانوں کو چھوا۔

"بھابھی! میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکی۔"

"کیوں تمہیں کچھ پتا نہیں ہے؟" عائلہ اس کے ساتھ والے صوفے پہ آ گئیں۔

"کیا مطلب کوئی بات ہے؟" ایمن نے پوچھا۔

"میں نے کچھ کہا تو بری بنوں گی۔ جانے دو اس بات کو۔ جب تمہیں خود ہی کسی نے کچھ بتایا نہیں ہے تو کیا ضرورت ہے۔"

عائلہ نے ان کے تجسس کو خوب ہوا دی تو ایمن کا تجسس بڑھ گیا۔

"بتائیں ناں بھابھی! کیا بات ہے۔ مجھے بھی تو پتا

چلے" ایمن کی بے قراری عروج پہ تھی۔

"لیکن وعدہ کرو کہ کسی کو بتاؤ گی نہیں۔ ہم تمہیں آنکھوں دیکھی مکھی نگلتا نہیں دیکھ سکتے۔ بڑے ابا جانے کیا سوچ رہے ہیں لیکن تمہیں میں نے اپنی چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھا ہے۔" عائلہ ان کے قریب کھسک آئیں پھر انہوں نے سارا واقعہ دو کی چار لگا کر سنایا۔

ایمن سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ رحمہ اور صوفیہ اس عرصے میں خاموش رہ کر سنتی رہی تھیں۔ انہوں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ان کے جذبات کی ترجمانی کا فریضہ عائلہ بھابھی بہت اچھی طرح انجام دے رہی تھیں۔

"کمال ہے ابو جان نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔"

"انہیں آبدار زیادہ عزیز ہے ابوبکر کے مقابلے میں تب ہی کچھ نہیں بتایا۔ اب میرا نام نہ آئے سوچ لینا۔ میں نے تو تمہارے بھلے کے لیے کہا ہے۔ منگنی شادی تمہاری مرضی ہے۔ کرو نہ کرو میں کچھ نہیں کہتی۔ لیکن آبدار کا کارنامہ تمہارے سامنے ہے۔" عائلہ بے نیازی سے کہہ کر کسی اور طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ آرام سے رات کو کنزہ سے خود بات کریں اور اگر مناسب ہو تو ابوبکر سے بھی بات کریں ایمن آپا!"

یہ ان کی سب سے چھوٹی بھابھی رحمہ تھیں۔ بڑی ہمدردی سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھے خلوص سے کہہ رہی تھیں۔

ایمن پھیکے سے انداز میں مسکرا دیں۔ "ہاں میں کرتی ہوں کچھ۔" وہ فیصلہ کن انداز میں وہاں سے اٹھیں۔

گھر میں بہت ہنگامہ اور شور و غل تھا۔ اس ماحول میں سکون سے بات کرنا مشکل ہی تھا۔ ایمن کو ابو سمیت کنزہ بھابھی سے بھی زبردست شکایت تھی۔ وہ سیدھی ان کی طرف چلی آئیں۔ کنزہ شاید باتھ روم میں تھیں اور آبدار اسی طرح لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ آبدار کا سوجا ہونٹ اور ماتھے پر پڑا نیل بہت واضح تھا۔ وہ کرسی اٹھا کر اس کے پاس بیٹھ گئیں اور رسمی سی خیر خیریت پوچھی۔ اس کے بعد اصل بات کی طرف آئیں۔

"آبدار! تمہارے ماتھے پہ یہ نشان کیسا ہے اور ہونٹوں کا یہ کیا حال ہو رہا ہے۔" آبدار نے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھا مگر منہ سے نہیں بولی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں آبدار!" اب کی بار انہوں نے ذرا سختی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کنزہ باتھ روم سے نکل آئیں۔

"کنزہ! آبدار کے یہ زخم کیسے آئے ہیں؟" انہوں نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ کنزہ پریشان سی ہو گئیں۔ ان کی سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دیں۔

"شادی میں سب عورتیں پوچھ رہی تھیں کہ دولہا کی چھوٹی بچی کیوں نہیں آئی۔ میں نے کہہ دیا کہ آبدار کی طبیعت خراب ہے وہ اس لیے نہیں آ سکی۔ لیکن مجھے بتاؤ تو اسے کیا ہوا ہے۔ صبح میں جلدی میں تھی۔ کمرے میں تم نے پردے بھی نہیں ہٹائے تھے۔ تب ہی تو میں آبدار کو غور سے دیکھ نہیں پائی تھی۔۔۔۔"

ان کی سوالیہ نگاہیں ان دونوں پہ جمی تھیں۔ کنزہ کے دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے اور وہ انہیں دیکھے جا رہی تھیں جیسے ان میں انہیں اپنا مستقبل نظر آ رہا ہو۔

"وہ۔۔۔ وہ اصل میں آبدار باتھ روم میں پھسل گئی تھی گرنے کی وجہ سے یہ چوٹیں آئی ہیں۔"

کنزہ کو بہانہ سوجھ ہی گیا۔ لیکن اس کے کارگر ہونے کا انہیں یقین نہیں تھا خود ایمن کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے اٹھ کر آبدار کے سر سے اسکارف ہٹا دیا۔

"اور یہ اس کے بالوں کا کیا ہوا۔ نوچ لیے گئے ہیں۔ کیا یہ بھی باتھ روم میں گرنے سے ایسے ہوئے ہیں۔ بتاؤ تم دونوں ماں بیٹی مجھے۔ میں آبدار کو بہت معصوم سمجھتی تھی اور اس کی معصومیت اور گہرے پن سے تھی

ابوبکر کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ لیکن ہمیں کیا خبر تھی کہ صرف ظاہری ہے۔

ان کا رخ آبدار کی طرف تھا۔ وہ سخت غصے میں تھیں۔ "تم نے جھوٹ کیوں بولا۔ کم سے کم مجھے بتا سکتی تھیں۔"

"اصل میں... میں مم... مم..." کنزہ کچھ کہنے کی کوشش میں ایمن کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگی۔

"پھوپھو! باسط بھائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ وہ مجھے یہاں سے خود بلا کر لے گئے تھے اپنے پورشن میں۔ اُدھر جا کر انہوں نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ مجھ سے جو قسم لے لیں۔ میں اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ جو باسط بھائی کہہ رہے ہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

آبدار اپنی تمام تر طاقت جمع کر کے بولی تھی۔ اسے صاف لگ رہا تھا وہ اب بھی نہ بولی تو اس کی قسمت پہ سیاہی بکھر جائے گی۔ وہ مریم تو نہیں تھی جو فرشتہ اس کی پاکیزگی کی گواہی دینے زمین پہ آ جاتا۔ اپنی جنگ اسے خود لڑنی تھی۔ کیونکہ اس کی ماں اس گھر میں سب سے کمزور ہستی تھی۔

ایمن سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ یقین تو انہیں بھی نہیں تھا کہ آبدار اس قسم کی حرکت کر سکتی ہے۔ مگر دوسری طرف باسط تھا۔ اعلا تعلیم یافتہ، باشعور، شادی شدہ ایک بچے کا باپ بے حد سنجیدہ۔ ہم پر دیکھنے والوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ جھوٹ تھا؟ رحمہ، صوفیہ، عائلہ، عمارہ کیا سب جھوٹ بول رہے تھے؟ اُدھر آبدار تھی، معصوم، کم عمر وقت کے تقاضوں سے بے نیاز۔ وہ کس کا یقین کرتیں۔

جاتے وقت ان کا وہ غصہ رخصت ہو چکا تھا۔ جس غصے میں وہ یہاں آئی تھیں۔

ولیمہ کے بعد انہوں نے ابو جان سے بات کر لی تھی۔ ان کا ارادہ تھا کہ ابوبکر اور شوہر سے اس بات کا تذکرہ نہیں کریں گی۔ کیونکہ مرحوم بھائی کی عزت اچھالنا انہیں کسی صورت منظور نہیں تھا۔ آبدار ان کے مرحوم بھائی کی بیٹی تھی۔

☆ ☆ ☆

ابوبکر کو جانے کس نے یہ بات بتائی تھی کہ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اب ان کی پوری فیملی کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔ ایمن کو آبدار اور ابوبکر کی منگنی کا پروگرام خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ ابوبکر بے شک یورپ کی آزاد فضا میں پلا بڑھا تھا۔ لیکن اس کی رگوں میں مشرقی ماں باپ کا خون دوڑ رہا تھا۔ وہ پہناوے اور بول چال کی حد تک تو ماڈرن تھا ہی لیکن عورت کے معاملے میں ایک وہی روایتی سا مرد تھا جو ہونے والی بیوی کی ذات پہ ایک ہلکا سا دھبا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اب جو کچھ دبی دبی زبان میں اس نے آبدار کے بارے میں سنا تھا اس سے وہ زبردست شاک میں تھا۔ ایمن کی طرح اسے بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ آبدار باسط بھائی کے پورشن میں بری نیت سے گئی تھی۔ لیکن دریشہ اور عزہ اس کی بتائی کا جو آنکھوں دیکھا حال بتایا تھا اسے یقین کرنا ہی پڑا تھا۔ کچھ تھا تب ہی تو بات اتنی آگے بڑھی۔ ورنہ وہ دھوکا کھانے والی لگتی نہیں تھی۔

وہ سیدھا آبدار کے پاس آ کر رکا تھا۔ ان پانچ دنوں میں پہلی بار وہ اٹھی تھی اور کھڑکی کے پاس کھڑی لان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے باہر جانے سے خوف آ رہا تھا کیونکہ عمارہ بھابی اور تائی جان نے کہا تھا کہ اگر تم کمرے سے باہر نظر آئیں تو حشر کر دوں گی۔ وہ لاکھ بہادر بننے کی کوشش کرتی لیکن اندر سے تھی تو ایک نازک سی لڑکی۔

آبدار گھبرا سی گئی۔ ابوبکر کی آنکھوں میں اپنائیت کی کوئی رمق نہیں تھی۔ اسے پتا تھا ابوبکر کس لیے اس کے پاس آیا ہے۔ ان پانچ دنوں میں اس نے بہت سے تلخ سوالوں کا سامنا کیا تھا۔ جن کے جواب سوال کرنے والوں کی مرضی کے مطابق نہیں تھے۔ پھر بھی اپنی طرف سے اس نے سب کوششیں کی تھیں کہ اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے۔

"آبدار! میں نے تمہارے بارے میں جو کچھ سنا

ہے کیا وہ سچ ہے؟"

وہ ابوبکر کو دیکھ کر جی سی اٹھی تھی۔ مگر ابوبکر کا رویہ بہت حوصلہ شکن تھا۔ بہت سے لفظ اور آنسو اس کے ہونٹوں اور آنکھوں میں دب کر ہی رہ گئے۔

"آپ نے جو کچھ سنا ہے سب جھوٹ ہے، بے بنیاد الزام ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

وہ جھٹکے سے کھڑکی کے آگے سے ہٹی اور جا کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ ابوبکر سوچ نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ آبدار کا غصہ بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ اس نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا تھا اور اس پہ مضبوطی سے قائم بھی تھا۔

بڑے ابا کے کمرے میں، جس جس کو جہاں جہاں جگہ ملی تھی وہیں بیٹھ گیا تھا اور جو رہ گئے تھے وہ دلچسپ تماشے کی آرزو میں دروازے سے جھانک رہے تھے۔

ایمن پھوپھو کی پوری فیملی موجود تھی۔ کنزہ اور آبدار دونوں سعید الدین کے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ عائلہ، عاشر احمد کے ساتھ باسط اور عمارہ بھی موجود تھے۔ رحمہ اور صوفیہ سے بھی نہیں رہا گیا شوہروں کے ساتھ اِدھر ہی تھیں۔

سعید الدین کو لگ رہا تھا جیسے کوئی عدالت لگی ہوئی ہے اور سب فیصلہ سننے کے انتظار میں ہیں۔ انہوں نے جس بات کو جتنا چھپانا چاہا تھا وہ اتنی ہی پھیل گئی تھی۔ ذلت کا سامنا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ انہیں سب سے زیادہ شرمندگی مثنیٰ اور دولہا سے تھی۔ حالات اتنے نازک موڑ پہ تھے کہ ان کی عقل میں کوئی بات سمائی نہیں رہی تھی۔ کریں تو کیا کریں۔

"میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد آبدار کی شادی ہو جائے۔ تم سب کا کیا خیال ہے؟"

ان کا روئے سخن ایمن اور اس کے شوہر ممتاز کی طرف تھا۔ انہوں نے ابوبکر کی طرف دیکھا پھر گلا صاف کر کے ممتاز نے ہی بولنے کی کوشش کی۔

"میں نے جو کچھ سنا اس پہ کوئی رائے نہیں دوں گا۔ وہ خاندانوں کا معاملہ ہے لیکن فیصلے کا اختیار ابوبکر کے ہاتھ میں ہے وہ جو کہے گا ہم مانیں گے۔ اگر وہ اب بھی آبدار سے شادی کے فیصلے پہ قائم ہے تو ہم اس میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے وہ یتیم بچی ہے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں زیادتی نہ ہو جائے۔"

سعید الدین نے نظریں اٹھا کر بڑے غور سے داماد کی طرف دیکھا۔

"میں آبدار سے شادی نہیں کر سکتا۔ وہ بے گناہ ہے کہ گناہگار مجھے اس بحث سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیونکہ آبدار بے گناہ ہے بھی تو میرے لیے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ میں بدنام لڑکی کو لائف پارٹنر نہیں بنا سکتا۔ مجھے آبدار سے پوری ہمدردی ہے لیکن میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔" ابوبکر فیصلہ سنا کر جا چکا تھا۔

آبدار کا سارا ایمان ٹوٹ چکا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ ابوبکر اس پہ یقین کرے گا اور اس گھٹے ماحول سے اتنی دور لے جائے گا کہ وہ یہ سب باتیں بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دے گی۔ لیکن اس کی امیدیں ریت کا محل ثابت ہوئی تھیں۔

سب جا چکے تھے۔ صرف کنزہ اور ایمن ہی تھیں جو آبدار کے رونے سے عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھیں۔ خود سعید الدین پہلو بدل رہے تھے آبدار کے آنسو انہیں تکلیف دے رہے تھے۔

بک شیلف کے سب سے اوپری حصے میں ان کا قرآن پاک رکھا ہوا تھا۔ آبدار غسل خانے میں جا کر وضو کر کے آئی۔ ہر آنکھ میں اپنے لیے اسے نفرت اور تحقیر دکھائی دے رہی تھی۔ بڑے ابا کی آنکھوں میں وہ یہ نفرت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ صرف ایک ہی چیز سے وہ انہیں اپنی بے گناہی کا یقین دلا سکتی تھی۔

وہ قرآن دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر ان کے پاس آ گئی۔

"بڑے ابا، مما، پھوپھو! مجھے اس کلام پاک کی قسم ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ باسط بھائی مجھے خود بلانے آئے تھے میں خود ان کے پاس نہیں گئی تھی۔"

سچائی کے نور سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ وہ اس وقت بالکل بھی رو نہیں رہی تھی۔

بڑے ابا نے قرآن اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"مجھے پتہ ہے تم سچ بول رہی ہو۔ بعض اوقات آنکھیں جو دکھاتی ہیں وہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔"

ایمن پھوپھو سخت شرمندگی محسوس کر رہی تھیں۔ اب انہیں آبدار کا سو فی صد یقین آگیا تھا۔

"ابو جان! میں ابوبکر اور منتہٰی سے ایک بار پھر بات کروں گی۔ ابوبکر ابھی غصے میں ہے۔ غصہ اترے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

ایمن نے انہیں کمزور سی تسلی دی۔ سعید الدین نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔ انہیں ذرا بھی یقین نہیں تھا کہ ابوبکر مان جائے گا۔

سعید الدین نے آبدار کو ساتھ لگا لیا تھا۔ ان کے ہاتھ اسے تھپک رہے تھے اور اس کو تو جیسے ساری قوت اس سے آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

✡ ✡ ✡

ایمن پھوپھو نے آخری کوشش کی تھی کہ ابوبکر کسی طرح اس رشتے کو پہلے کی طرح قائم رکھنے پہ راضی ہو جائے۔ انہوں نے ابوبکر کو بتایا تھا کہ کس طرح آبدار نے کلام پاک پہ ہاتھ رکھ کر اپنی بے گناہی کی قسم کھائی ہے۔ لیکن وہ نہیں مانا۔

"ممّا! اگر کچھ دیر کے لیے میں فرض بھی کرلوں کہ آبدار بے قصور ہے اور باسط بھائی اسے زبردستی اپنے بیڈ روم میں لے گئے ہیں تو اس سے آگے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہاں ایسا کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہو گا جو آبدار نے شور مچایا ہو گا۔" ورشہ اور عزہ کے الفاظ سے اس دن کا نقشہ کھینچ دیا تھا اس کے سامنے۔ وہ ایک ایک تفصیل وہاں موجود نہ ہوتے ہوئے بھی محسوس کر سکتا تھا۔

وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ بلکہ اس نے ممّا کے آگے ایک اور تجویز رکھی تھی "ممّا! آپ اپنے بھائی کی بیٹی سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں نا تو ورشہ سے کر دیں۔ میں راضی ہوں۔"

ایمن اور منتہٰی ابوبکر کی تجویز کے بارے میں سوچنے پہ مجبور ہو گئے تھے۔ آبدار نہ سہی ورشہ ہی سہی۔ جب ایمن نے اس کا موازنہ آبدار سے کیا تو وہ بہتر ہی نظر آئی۔ آبدار کی ذات سے گھر کے اکثر افراد کو شکایات ہی تھیں۔ نہ اٹھنے بیٹھنے کے آداب، نہ بڑوں کی عزت و احترام، نہ کھانے پکانے سے اسے دلچسپی تھی، نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ۔ سارا دن بچوں کو جمع کیے انہی کی طرح بچی بنی کھیلتی کودتی رہتی۔ پڑھائی میں نالائق اور ناکارہ۔ یہ تو ابا جان کی ہمت تھی جو اس کی تمام نالائقی کے باوجود پڑھا رہے تھے اور مہنگے کالج کی فیس بھی بھر رہے تھے۔ اسے ان کی بھی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ اس کی نصیحتیں ایک کان سے سنتی دوسرے سے نکال دیتی۔

ابوبکر کی ناپسندیدگی کے بعد اب انہیں بھی آبدار کی بہت سی برائیاں نظر آنے لگی تھیں جن کی طرف پہلے ان کا دھیان نہیں گیا تھا۔ بھاوجیں آبدار کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتی رہتیں۔ لیکن ابوبکر کی وجہ سے انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا کہ مرحوم بھائی کی بیٹی ہے جس نے بیوی کو ساری عمر بیوی کا مقام نہیں دیا، زیادتیاں کرتا رہا۔ اسی بھائی کی بیٹی کو بہو بنا کر وہ ان زیادتیوں کی کسی حد تک تلافی کرنا چاہ رہی تھیں۔ مگر قسمت کو شاید منظور نہیں تھا۔ ورشہ کو ہی ان کے گھر کی بہو بننا تھا۔ خوش لباس، "کم گو"، "سلیقہ مند" بڑوں کا ادب کرنے والی۔ تعلیم میں بھرپور دلچسپی لینے والی ورشہ ایک آئیڈیل بیوی ثابت ہو سکتی تھی۔ اپنی اس خواہش کا اظہار انہوں نے ابا جان اور پھر بھائی جان سے کیا۔ سعید الدین کو اعتراض تو کوئی نہیں تھا لیکن آبدار پہ گزرنے والی قیامت کا انہیں بہت اچھی طرح احساس تھا۔ ٹھکرائے جانے کی اذیت بہت بری ہوتی ہے اور وہ اسی اذیت سے گزر رہی تھی۔

صوفیہ، یاسر احمد اور خود ورشہ بہت خوش تھی۔ وہ تو جیسے ہواؤں میں پرواز کرنے لگی تھی۔ اس نے ابوبکر اور آبدار کے رشتے کے بعد خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا کہ ابوبکر اس کے حوالے سے اپنی خواہش بیان

کرے گا اور وہ اتنی آسانی سے بغیر کسی رکاوٹ کے اسے مل جائے گا۔ لیکن یہ معجزہ رونما ہو چکا تھا۔ پورے گھرانے کی خوشی حد سے سوا تھی۔

اب ابوبکر کی منگنی آبدار کے بجائے ورشہ کے ساتھ ہو رہی تھی۔ دونوں گھرانے تیاری کر رہے تھے کہ اس تقریب کو زیادہ سے زیادہ یادگار بنایا جائے۔

پورے خاندان میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ ابوبکر نے آبدار کے ساتھ منگنی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ انکار کی وجوہات بہت مسالے دار تھیں۔ جسے چٹخارے لے لے کر ایک دوسرے کو بتایا جا رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

ایمن نے ورشہ کے لیے بہت مہنگے بوتیک سے منگنی کا جوڑا خریدا تھا۔ ورشہ خود ساتھ گئی تھی۔ منگنی پہننے والے جوڑے کے ساتھ سینڈل اور دیگر چیزیں بھی ایک سے ایک تھیں۔ ہر ایک میں اس کی پسند کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ اس کی تو قسمت ہی کھل گئی تھی۔ باقی لڑکیاں اس کے نصیب پہ رشک اور کچھ حسد کر رہی تھیں۔ آبدار ان دنوں لاکھوں سے باہر تھی۔ ابوبکر اس کی زندگی میں کیا آیا تھا کہ وہ خود کو بہت معتبر سمجھنے لگی تھی۔ ابوبکر نے اسے چاہت کا مان اور اعتبار بخشا تھا اس مختصر سے عرصے میں اس نے منہ سے بھی بڑے بڑے دعوے نہیں کیے تھے۔ لیکن اپنے عمل سے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے لیے بہت اہم ہے۔

یہ خوشی، یہ احساس، یہ فخر، یہ مان بہت ہی کم وقت کے لیے تھا جیسے کوئی ہوا کا جھونکا چھو کر گزر جائے۔ جیسے کوئی آوارہ بادل بغیر برسے گزر جائے۔ ابوبکر نے اسے کسی وضاحت کا موقع تک نہیں دیا تھا۔

ورشہ کی منگنی پہ صوفیہ نے دوستوں، رشتہ داروں، ملنے جلنے والوں سب کو مدعو کیا تھا۔ سعید الدین نے اپنے خاص خاص دوستوں کو بھی بلا لیا تھا جس کی بدولت منگنی کی تقریب ٹھیک ٹھاک بڑی تقریب بن گئی تھی۔ پارلر سے تیار ہونے کے بعد ورشہ بہت

خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کی تو گردن ہی فخر و ناز سے گویا اکڑی جا رہی تھی۔ ابوبکر بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

عزہ نے بڑی مشکل سے خود کو یہاں سب کے ساتھ شامل ہونے کے لیے تیار کیا تھا۔ آبدار کو تو چپ ہی لگ گئی تھی۔ اندر ہی اندر دل پہ گرتے آنسوؤں نے اسے تو جیسے راکھ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس دن کے بعد سے منگنی کے دن تک وہ اپنے پورشن سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اب تو عزہ بھی اس کی گہری جامد خاموشی سے گھبرانے لگی تھیں۔ پہلے اس کی شرارتوں اور لاپروائیوں سے عزہ ہی سب سے زیادہ چڑتی تھیں اور اب اسے یوں دیکھ کر پریشان بھی سب سے زیادہ وہی تھیں۔ آبدار سارا دن گم صم رہتی۔ یا پھر لان کی طرف جاتی سیڑھیوں پہ بیٹھی رہتی۔

اسے کسی کا ہوش نہیں تھا۔ سعید الدین خود اس کی خیریت پوچھنے چلے آتے ورنہ آبدار ان کی طرف بھی جانا چھوڑ چکی تھی۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

صوفیہ ایک دن پہلے آکر عزہ کو منگنی میں شریک ہونے کا کہہ گئی تھیں۔ آبدار ان کی آمد پہ کمرے سے ہی نہیں نکلی اور نہ انہوں نے اس کے بارے میں کچھ کہا۔

عزہ بجھے بجھے دل سے شریک ہو گئیں۔

مہمانوں کے لذت کام و دہن کے لیے بہت عمدہ کھانوں کا انتظام تھا۔ اسٹیج پہ بیٹھی ورشہ ابوبکر سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر عزہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چشم تصور سے انہوں نے ورشہ کی جگہ آبدار کو دیکھا تو کسی غم نے جیسے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ آبدار کی بدقسمتی نے یہ دن دکھایا تھا ورنہ ورشہ کی جگہ ابوبکر کے پہلو میں وہی بیٹھی ہوتی۔ سب ہی لڑکیاں بہت اچھی طرح سے تیار ہوئی تھیں۔ عزہ بھی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ سعید الدین کے بہت پرانے دوست بھی تقریب میں موجود تھے۔ چوہدری فاروق کے تعلقات سعید الدین کے ساتھ برسوں کی دوستی پہ محیط تھے۔ میلوں دور دوسرے شہر میں رہنے

کے باوجود ان کے خلوص اور محبت میں کمی نہیں آنے پائی تھی۔

ہر اہم موقع پہ دونوں کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ یہ ملاقات تقریباً ساڑھے چار سال بعد ہو رہی تھی۔ کیونکہ چوہدری فاروق رفیقۂ حیات کی موت کے بعد خود بھی بیمار رہنے لگے تھے۔ سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے آنا اور سعید الدین سے ملنا اب آسان نہیں رہا تھا۔ ادھر سعید الدین بھی زندگی کے معاملات اور بکھیڑوں کے ساتھ نبرد آزما تھے ان کے پاس بھی اب پہلے جیسی فرصت اور صحت نہیں رہی تھی۔ ایک شہر میں رہائش ہوتی تو دوست سے ملنا جتنا آسان ہوتا۔ پھر چوہدری فاروق کی طرح انہیں بھی مختلف بیماریوں نے گھیر لیا تھا۔ آج ملاقات ہوئی تو دونوں نے پرانے خوشگوار وقت کو یاد کیا۔ چوہدری فاروق اپنے ڈرائیور کے ساتھ آئے تھے۔ سعید الدین نے اپنے ہاں رکنے پہ آمادہ کر لیا۔ انہوں نے بہتیرے بہانے تراشے لیکن سعید الدین نے ایک نہ چلنے دی۔

گھر والوں کو پتہ تھا کہ یہ خاص الخاص مہمان ہیں۔ اس لیے وہ خود بھی خدمت میں پیش پیش تھے۔ رحمہ اور عزہ نے خود کھانا سرو کیا انہیں ایک ایک چیز اصرار سے کھلائی۔ چوہدری فاروق کی نگاہوں میں عزہ کے لیے پسندیدگی کی جھلک صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کچھ اندازے لگا رہے تھے۔ سعید الدین نے بھی ان کی دلچسپی بھانپ لی تھی۔ رات ان دونوں کی محفل جمی تو چوہدری فاروق کے دل کی بات زبان پہ آگئی۔

"میں اپنی اور تمہاری دوستی کو رشتہ داری میں بدلنا چاہتا ہوں تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" چوہدری فاروق نے صاف الفاظ میں دلی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" سعید الدین کو اس بات کی ذرا بھی توقع نہیں تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ اب ہم دوست کے ساتھ ساتھ رشتہ دار بھی بن جائیں تو کیسا ہے؟ مجھے تمہاری پوتی بہت اچھی لگی ہے۔ عزہ نام ہے نا اس کا میں اپنے پوتے کا رشتہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ تم سے تین چار ماہ پہلے بھی ذکر کیا تھا میں نے تمہیں اگر یاد ہو تو...؟"

سعید الدین کو یاد آ گیا۔ کچھ ماہ پہلے ان کی چوہدری فاروق سے فون پہ کافی لمبی بات چیت ہوئی تھی انہوں نے اپنی کچھ پریشانیوں کا ذکر کیا تھا ساتھ بتایا تھا کہ وہ پوتے کے لیے کسی اچھے سے خاندان کی لڑکی کی تلاش میں ہیں نیز یہ کہ وہ شادی پہ آمادہ نہیں ہے۔ لیکن پوتے کی شادی ان کی مجبوری ہے اور ضرورت بھی کیونکہ ان کا گھرانہ سخت بحران کی زد میں ہے۔

تقریباً دس سال پہلے وہ چوہدری فاروق کے گھر گئے تھے۔ اس کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ جا ہی نہ سکے لیکن چوہدری فاروق سے ان کے خاندانی حالات کا پتا چلتا رہتا تھا۔

دس سال پہلے انہوں نے دوست کے دونوں پوتوں کو دیکھا تھا اور دس سال میں ظاہر ہے کافی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی تھیں۔

"میں کچھ دن میں گاؤں آؤں گا اس کے بعد گھر میں بات کروں گا اور پھر جو بھی فیصلہ ہوا تمہیں بتاؤں گا۔" بہت دیر سوچنے کے بعد وہ گویا ہوئے تو چوہدری فاروق نے ہولے سے سر کو ہلایا تھا۔

✿ ✿ ✿

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ آبدار لان کی طرف جانے والی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ یہ اس کا پسندیدہ مقام تھا۔ فارغ اوقات میں اکثر وہ ادھر بیٹھ جاتی۔ کنزہ سو چکی تھیں۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نیند بہت دور تھی۔

اسے بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی ہو گی کہ لان کے وسیع و عریض دوسرے کونے سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ نیم تاریکی میں دو ہیولے سے دکھائی دے رہے تھے۔ اتنی دور سے تاریکی میں مکمل طور پہ کچھ واضح نہیں تھا۔ لیکن وہ نہ جانے کیوں خوف زدہ سی ہو کر وہاں سے اٹھ آئی۔

وہ دو ہیولے جن سے خوفزدہ ہو کر آبدار اٹھی تھی ابوبکر اور وریشہ تھے دونوں کو ہی نیند نہیں آ رہی تھی سو ٹہلتے ٹہلتے ادھر آ نکلے تھے۔

وریشہ اور ابوبکر میں بہت جلد انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ تبادلہ خیالات سے دونوں پہ ہی یہ انکشاف ہوا کہ ان کی پسند ناپسند ہر معاملے میں تقریباً یکساں ہے۔ ابوبکر نے منگنی کے بعد بہت جلد یہ اقرار کیا تھا کہ وہ پہلے غلطی پہ تھا لیکن اب اس نے وریشہ کو ہم سفر چن کر اپنی غلطی کی خوب صورت تلافی کر دی ہے اور یہ کہ وہ دونوں صرف ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔

من چاہے ہمسفر کی جانب سے ایسا خوب صورت اظہار سن کر وریشہ ظاہر ہے بہت خوش تھی اور اس میں کچھ غرور سا بھی آ گیا تھا اور عزہ کو اس کی یہ بات ذرا بھی پسند نہیں آئی تھی۔ منگنی سے پہلے ان دونوں میں بہت دوستی تھی۔ لیکن وہ اب عجیب سے احساس برتری کا شکار تھی۔ اس احساس برتری کی آڑ میں وہ بڑے بڑے سے دوسرے بندے کی انسلٹ کر دیتی تھی۔ عزہ کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ وریشہ غیر محسوس انداز میں دور ہوئی تو عزہ بھی انا کی ماری تھی۔

پہلے روز وہ دونوں رات کے کھانے کے بعد اکٹھے واک کرتیں "اکٹھے بازار جاتیں" وریشہ رات کو اس کے کمرے میں آ جاتی۔ ان کی باتیں شروع ہوتیں تو ختم ہونے کا نام نہ لیتیں۔ خاص طور پہ ابوبکر کا رشتہ جب آبدار کے لیے آیا تو ان کے پاس آبدار اور ابوبکر کے علاوہ کوئی اور موضوع ہی نہیں تھا جس پہ بات کرتیں۔ منگنی ہوتے ہی وریشہ نے خود کو دنیا سے الگ اور مختلف تصور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اپنے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا سو ایسے میں بے چاری عزہ اسے کہاں نظر آتی۔

✿ ✿ ✿

یاور نے حرا اور تابش دونوں کو باری باری جگایا۔ بڑی ہی شرافت سے دونوں پہلی آواز پہ اٹھ گئے۔ آنکھیں ملتے ہوئے دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"منہ ہاتھ دھو کر فوراً ناشتے کے لیے آؤ۔ بابا جان بھی واپس آ گئے ہیں آپ دونوں کا پوچھ رہے ہیں۔" یاور کی آنکھوں میں ان دونوں کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

"بابا جانی واپس آ گئے ہیں۔" حرا خوش ہو گئی۔

وہ واش روم میں چلی گئی یاور اچٹتی سوچتی نگاہوں سے تابش کو تکنے لگا جو کچھ مضطرب سا لگ رہا تھا۔ اس کے دل میں بے ساختہ محبت امڈ آئی۔

غالب بھائی کے ان دونوں بچوں سے اسے بے پناہ محبت تھی۔ تابش حرا سے بڑا ہونے کے ناطے زیادہ سمجھدار اور حساس تھا۔ جبکہ حرا اس کے مقابلے میں قدرے لاپروا اور کھلنڈری سی تھی۔ یاور نے نوٹ کیا تھا کہ تابش کم گو اور تنہائی پسند ہوتا جا رہا ہے۔ وہ بچوں کو ہر ممکن وقت اور توجہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

غالب بھائی کی موت کو چھ ماہ گزر چکے تھے لیکن ابھی تک اس کے اثرات ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ اپنی طرف سے بابا جان بھی پوری کوشش کر رہے تھے کہ بچوں میں احساس محرومی پیدا نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے لیے یاور نے اخبار میں گورنس کے لیے اشتہار بھی دیا تھا۔ بہت سی عورتیں انٹرویو کے لیے آئیں اور یاور نے ہی مسز [illegible] کو منتخب کیا۔ کیونکہ اپنے حلیے' طرز تخاطب اور باتوں سے وہ بہت سمجھدار اور بہت کیئرنگ لگ رہی تھیں۔ اعلا تعلیم یافتہ بھی تھیں۔ لیکن وہ دو ماہ ہی ٹک پائیں۔

ساری ذمہ داری اور فکریں یاور کے سر تھیں۔ اس کے ایک دوست نے حرا اور تابش کو بورڈنگ میں بھیجنے کو کہا تھا۔ لیکن وہ کسی طرح بھی اس کے حق میں نہیں تھا۔ حرا تو لڑکی تھی' وہ تابش کو بھی نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ گاؤں سے ان دونوں کے اسکول کا فاصلہ اچھا خاصا تھا لیکن ڈرائیور گن مین کے ساتھ چھوڑنے اور لینے جاتا تھا۔

پہلے غالب بھائی بھی شہر میں ہی تھے اپنی موت سے کچھ عرصے پہلے ہی وہ گاؤں والی چھوٹی حویلی میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ تب بھی یاور شہر والے گھر میں ہی تھا۔

تعلیمی میدان میں ذہنی یکسوئی کی خاطر وہ ادھر ہی رکتا تھا۔ چھٹیوں میں گاؤں آنا جانا لگا رہتا اور جب سے غالب بھائی فوت ہوئے تھے تب سے مستقل وہ یہیں بابا جان کے پاس تھا۔

✿ ✿ ✿

بابا جان شہر سے لوٹنے کے بعد کل سے کافی خوش نظر آ رہے تھے۔ اس نے جان کر کچھ نہیں پوچھا تھا کیونکہ ان کی خوشی بتا رہی تھی کہ انہیں اپنا گوہر مقصود مل گیا ہے۔ غالب بھائی کی موت کے دو ڈھائی سال بعد ہی انہوں نے یاور کو شادی کے لیے کہنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے بری طرح یاور کا پیچھا لے لیا تھا۔ اپنی حد تک اس نے ہر طرح انکار کیا تھا مگر وہ مایوس ہونے والے نہیں تھے تو اس کے پاس انکار کا کوئی جواز بھی نہیں تھا جس کو بنیاد بنا کر وہ بہانے بناتا۔ تابش عزا کے پھول جیسے چہرے مرجھائے ہوئے تھے۔ دونوں ہی سہمے رہتے تھے۔ حرا چھوٹی تھی لیکن تابش نے گہرا اثر لیا تھا۔ اسی وجہ سے بابا جان بھی بہت اپ سیٹ تھے اور شادی کی جلدی مچا رہے تھے۔

امی جان خود اپنے دکھوں سے نڈھال تھیں۔ چوبیس گھنٹے نرس ان کی خدمت پہ مامور تھی۔ وہ خود سے کروٹ تک نہیں بدل سکتی تھیں۔ یاور ان کے پاس آتا تو ان کے چہرے پہ مسکراہٹ آ جاتی ورنہ زندگی کی امنگ غالب کے بعد ان کے دل میں دم توڑ چکی تھی۔ بابا جان ان کی وجہ سے بھی بہت پریشان تھے۔ چار سال سے وہ تقریباً معذوروں والی زندگی گزار رہی تھیں۔ حاجرہ خانم نے ان کی بہت خدمت کی تھی۔ اسی وجہ سے اکلوتے بیٹے کی یہ اکلوتی بہو انہیں بہت پیاری تھی۔ حارث چوہدری ایک ہی تو بیٹا تھا ان کا۔ جوانی عمری میں ہی حارث چوہدری وفات پا گئے تھے۔ تب سے بابا جان کی زندگی کا محور و مقصد دونوں پوتے اور بہو ہی تھی جس نے دونوں نشانیوں کو بہت پیار سے پروان چڑھایا تھا اور اسی گھر میں زندگی گزار دی تھی۔ چار سال پہلے آہستہ آہستہ وہ بیمار ہونا شروع ہو گئیں۔ ریڑھ کی ہڈی میں شدید تکلیف تھی وہاں پھوڑا سا بنا ہوا تھا۔ بہترین ہسپتال اور ڈاکٹرز کی زیر نگرانی ان کا علاج ہوتا رہا شروع میں ڈاکٹرز کو بیماری کی نوعیت سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ ڈاکٹرز نے ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن کر کے متاثرہ حصہ اور ہڈی نکال دی۔ پھر پتا چلا کہ حاجرہ خانم کو ہڈیوں کی ٹی بی ہے۔ وہ کلی طور پہ دوسروں کے رحم و کرم پہ تھیں۔ اب تو ان کی تکلیف بھی شدید تھی۔ آئے دن ڈاکٹرز بدلے جاتے میڈیسن بدلی جاتی لیکن ان کی حالت میں خاص تبدیلی نظر نہیں آئی تھی۔

غالب جیسے کڑیل جوان بیٹے کی ناگہانی موت کے بعد وہ بکھر کر رہ گئی تھیں۔ ایسے میں یاور نے ہی پورے گھر کو سنبھالا تھا۔ وہ شہر سے واپس آ گیا تھا۔ بابا جان اور حاجرہ خانم نے سب امیدیں اسی سے وابستہ کر لی تھیں۔ بچے سہمے ہوئے تھے۔ انہیں بھرپور توجہ اور محبت کی ضرورت تھی ایک ایسے وجود کی ضرورت تھی جو انہیں واقعی اپنا سمجھے۔ اس کا حل یاور کے نزدیک قابل قبول نہیں تھا۔ لیکن بابا جان اڑ گئے تھے اور سے حاجرہ خانم بھی ان کی ہمنوا بن گئی تھیں۔ یاور عجیب دوراہے پہ کھڑا تھا۔

✿ ✿ ✿

چوہدری فاروق کے ملازم نے مہمان کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ مہمان خانے میں سعید الدین کو اپنے سامنے پا کر ایک لمحے کے لیے انہیں یقین ہی نہیں آیا۔ بڑی گرمجوشی سے وہ دوست سے بغل گیر ہوئے اور اسی وقت ملازموں کو خاطر مدارت کی ہدایت دی۔

رات کے کھانے پہ چوہدری فاروق کے چھوٹے پوتے چوہدری یاور سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اپنے رکھ رکھاؤ سے وہ مہذب اور باشعور لگ رہا تھا۔ سعید الدین کے تاثرات سے پسندیدگی عیاں تھی۔ لیکن فی الحال اس کا اظہار کرنا انہوں نے مناسب نہیں سمجھا۔ چوہدری فاروق کی مالی حیثیت بے شک شاندار تھی لیکن وہ صرف ان کے پوتے کو دیکھنے آئے تھے۔ مالی

حیثیت سعید الدین کی بھی اچھی تھی لیکن فاروق کی پوزیشن ان کی نسبت کافی مضبوط تھی۔ اور یہ بات اس کی موافقت میں جاتی تھی کیونکہ سعید الدین اپنے بیٹے اور بہوؤں کی ملمع پرستی سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ رحمہ اندر ہی اندر وریشہ اور ابوبکر کے رشتے سے جل بھن رہی تھیں۔ دلوں میں دراڑ سی آ گئی تھی۔ سعید الدین کو پوری امید تھی کہ جب فاروق پوتے کا رشتہ لے کر ان کے ہاں آئے گا تو یہ دراڑ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ چوہدری فاروق کی مالی حیثیت کافی سے بھی زیادہ اچھی تھی۔ رحمہ اور جلال نے خوش ہو جانا تھا۔

✿ ✿ ✿

سعید الدین حاجرہ خانم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ نرس انہیں دلیہ کھلا رہی تھی۔ پاس ہی یاور اور فاروق بھی تھے۔ ان کے چہرے معمول سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ گھر کی فضا پہ عجیب سی سوگواری اور پراسراریت طاری تھی۔ سعید الدین نے بڑی شدت سے یہ بات محسوس کی تھی کہ مکینوں کے رویے میں خوف رچا بسا ہے۔ یاور اندرونی کیفیات پہ قابو پائے ہوئے تھا اور فاروق بھی بہت دل گرفتہ نظر آتے۔ دونوں بچے بھی عام بچوں کی نسبت پژمردہ اور تھکے تھکے لگ رہے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود سعید الدین نے کوئی منفی خیال دل میں لائے بغیر یاور کے بارے میں سوچا تھا۔ اگر عزہ کا رشتہ یہاں طے ہو جاتا تو یقیناً وہ بہت خوش ہوتے۔ اس کے بعد آبدار کے بارے میں سوچنا تھا۔ اس کے ناکردہ گناہ نے یہ دن دکھائے تھے۔ پھر ان کی بہوؤں نے اپنی اپنی جلن اور دشمنی نکالی تھی۔ آبدار کے مستقبل کو کسی بھی قسم کی ناخوشگوار صورت حال سے بچانے کے لیے انہوں نے باقاعدہ کچھ انتظامات کیے تھے جن کا علم وکیل کے علاوہ صرف انہیں ہی تھا۔ آبدار انہیں بہت پیاری تھی۔

انہیں یہاں آئے آج تیسرا دن تھا اور ان تین دنوں میں انہوں نے کافی کچھ جانچ لیا تھا وہ مطمئن تھے۔ یاور عزہ کے لیے مناسب و موزوں تھا۔ دونوں خاندانوں میں اس رشتے کے بعد محبت اور قربت اور بھی بڑھ جانی تھی۔

سعید الدین چوتھے دن واپس آ گئے تھے۔ ایمن پھپھو ابوبکر اور وریشہ کے ساتھ مری گھومنے پھرنے کی غرض سے گئی ہوئی تھیں۔ ایمن نے عزہ سے بھی کہا تھا کہ وہ ساتھ چلے مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ آبدار سے تو پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ تو کمرے سے باہر نکلتی ہی نہیں تھی۔ رحمہ اور صوفیہ خود ہی سن گن لینے کی غرض سے جھانک لیتی تھیں ورنہ آبدار نے تو ان کی طرف نہ آنے کی جیسے قسم کھائی تھی۔

آبدار کا رزلٹ آ گیا تھا وہ گزارے لائق نمبروں سے پاس ہو ہی گئی تھی۔ کالج بھی کھل گئے تھے۔ پہلے تین دن تو وہ گئی ہی نہیں۔ چوتھے دن تیار ہو کر گیٹ کے پاس آئی تو باسط گاڑی نکال رہا تھا۔ وہ بالکل سامنے کھڑی تھی۔ باسط نے گاڑی سے اتر کر چور نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور کسی کو نہ پا کر مطمئن سانس لی۔

"آبدار! میرے ساتھ بیٹھ جاؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ لہجے میں چاشنی سمو کر بولا مگر آبدار نے سنی ان سنی کر دی۔ اس کی وین آنے والی تھی۔ وہ کلائی پہ بندھی گھڑی پہ ٹائم دیکھنے لگی اس وقت تک وین والے کو آ جانا چاہیے تھا۔ باسط اس کے پاس آ گیا۔

"پلیز آبدار! مجھے معاف کر دو اور گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" کتنا التجائیہ سا انداز تھا۔ یہ وہی پرانے والے باسط بھائی لگ رہے تھے مگر آبدار نے چوٹ کھائی ہوئی تھی۔ اس نے مڑ کر بڑی عجیب نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ وین والا آ گیا تھا اور ہارن بجا رہا تھا۔ وہ تیزی سے گیٹ عبور کر کے باہر سڑک تک آ گئی۔

یہ سارا منظر دوسری منزل پہ مقیم رحمہ چچی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کے ہونٹوں پہ بڑی پراسرار طنزیہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ان کا یقین پختہ ہو گیا تھا کہ آبدار اور باسط کا کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے۔

آبدار وین میں سوار ہو کر چلی گئی۔ اس کے پیچھے

پیچھے باسط کی کرولا ایکس جاتی نظر آرہی تھی۔ جونہی دونوں گاڑیاں نگاہوں سے اوجھل ہوئیں وہ گیلری سے اندر آگئیں۔

* * *

آبدار کے علاوہ سب ہی ڈائننگ ہال میں موجود تھے۔ سعید الدین نے کھانے کے بعد رحمہ اور جلال کے ساتھ ساتھ باقی دو بیٹوں کو بھی اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

وہ کھانے کے بعد نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئے۔ رحمہ بے کلی سے ان کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کررہی تھیں۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کچھ ہی دیر بعد بیٹے اور بہوئیں چلی آئیں۔

سوالیہ نگاہیں سعید الدین کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔

انہوں نے مزید انتظار کروانا مناسب نہیں سمجھا "میں گاؤں گیا ہوا تھا یہ آپ سب کے علم میں ہے لیکن کس لیے گیا یہ کسی کو نہیں پتا۔"

انہوں نے رک کر رحمہ کا چہرہ دیکھا اور پھر بات آگے بڑھائی۔

"ورشہ کی منگنی پہ میرا دوست چوہدری فاروق بھی آیا ہوا تھا۔ اسے عزہ بہت پسند آگئی ہے اپنے پوتے کے لیے۔ میں نے فوری طور پہ کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے مجھے گاؤں آنے کی دعوت دی تاکہ میں وہاں اس کے پوتے کو بھی دیکھ سکوں۔ میں کافی عرصہ پہلے اس کے پاس گاؤں گیا تھا۔ اس لیے اسے کوئی جواب نہیں دیا کہ پہلے جاکر لڑکے کو دیکھ پرکھ سکوں۔ اسی وجہ سے میں گاؤں گیا۔ لڑکے کو دیکھا اس سے ملا۔ مہذب، سلجھا ہوا نوجوان ہے۔ مجھے تو بہت پسند آیا ہے 'پر' تم لوگ بھی جاکر دیکھ لو مل لو گاؤں جاکر اور اچھی طرح سوچ کر اپنے فیصلے سے آگاہ کردو۔ ورشہ، آبدار اور آمنہ کی طرح عزہ بھی مجھے پیاری ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ بیاہ کر قدر دان لوگوں میں جائے۔ فاروق شادی جلدی کرنا چاہتا ہے کیونکہ کچھ ماہ پہلے ہی اس کے جوان پوتے کا انتقال ہوا ہے۔ بہو معذوری کی زندگی گزار رہی ہے گھر میں عورتوں کے دم سے جو فضا قائم ہوتی ہے وہ وہاں مفقود ہے۔ فاروق بہت بکھرا ہوا ہے اور اسی لیے جلدی شادی کرنا چاہتا ہے کہ اس گھر کو ایک عورت کی اپنائیت کی ضرورت ہے۔ پوتے کے دم سے جو عورت اس گھر میں جائے گی 'بہو' کا ایک رشتے میں بندھ کر جائے گی تو پیار محبت کی فضا خود بخود تخلیق پائے گی۔ فاروق بڑے پوتے کے دونوں بچوں کی طرف سے بھی بہت پریشان ہے۔ وہ باپ کے بعد بری طرح ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہیں۔ انہیں ہمدردی اور محبت کی ضرورت ہے اور میری پوتیوں میں یہ ہنر موجود ہے کہ وہ گھر کو گھر بناسکیں۔ یہاں شادی کی صورت میں عزہ کو ہو سکتا ہے تعلیم کی قربانی دینی پڑے کیونکہ فاروق گاؤں میں رہائش پذیر ہے۔ لیکن یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ عزہ پرائیویٹ طور پہ بھی اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے یا بعد میں شہر شفٹ ہو کر ایڈمیشن لے سکتی ہے۔ اگر تعلیم میں کوئی وقفہ آتا بھی ہے تو مجھے عزہ پہ بھروسا ہے کہ وہ اسے باآسانی ہینڈل کرلے گی۔ میری بڑی دونوں پوتیوں کی شادیاں بھی مناسب عمر میں ہوئی تھیں۔ ورشہ کا رشتہ بھی طے ہو گیا ہے۔ اب عزہ کو بھی اچھا بر مل گیا ہے تو ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس کے باوجود بھی اگر رحمہ اور جلال تم دونوں میں سے کسی کو بھی تعلیمی سلسلے کے عارضی طور پہ منقطع ہونے پہ اعتراض ہے تو میں فاروق سے دو تین سال کا وقت مانگ لوں گا لیکن میں انکار نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ بات کرتے ہوئے بغور رحمہ اور جلال کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہے تھے۔ جلال کا چہرہ تو سپاٹ تھا لیکن رحمہ کے چہرے کے تاثرات اندرونی خیالات کو کچھ حد تک عیاں کرچکے تھے۔

"ٹھیک ہے ابا جان! ہم اور رحمہ سوچ کر بتائیں گے۔" وہ دونوں سب سے پہلے اٹھ کر سعید الدین کے پاس سے آئے تھے۔ باقیوں نے بھی وہاں اپنی موجودگی غیر ضروری سمجھی اور نکل آئے۔

* * *

رحمہ اپنے بیڈ روم میں آتے ہی شوہر پہ برس پڑیں۔

"وہاں پہ ہی انکار کیوں نہیں کیا۔ ہماری بیٹی ہے کوئی بھیڑ بکری نہیں کہ جس طرف بڑے ابا کہیں گے ہم ہانک دیں گے۔ یاسر بھائی کی بیٹیوں کے رشتے مل اونرز کے گھروں میں ہوئے 'ورشہ' کا [illegible] ہے جو مستقبل میں سرجن بننے والا ہے ہماری بیٹی نے کون سا جرم کیا ہے جو اس کے لیے گاؤں میں رشتہ دیکھ کر آئے ہیں۔ قابلیت دیکھی تم نے ان کے دوست کے پوتے کی کہ مہذب اور سلجھا ہوا نوجوان ہے۔ گاؤں میں رہتا ہے اور مزے کی بات ہماری عزہ تعلیم حاصل نہیں کرسکے گی۔ کیونکہ گاؤں میں یہ سہولت نہیں ہوگی اور تو اور بڑے پوتے کے بچوں کو بھی ہماری عزہ ہی سنبھالے گی۔ عزہ خود ابھی بچی ہے اور اسے اعلا تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی ہے۔ میں تو اسے کبھی نہ بیاہوں ایسے لوگوں میں۔ میں نے تو بڑے ابا کے اس دوست کی فیملی کو آج تک نہیں دیکھا۔ اور بڑے ابا کو اپنا دوست اس قدر پسند آگیا کہ بڑے آرام سے عزہ کے لیے ہاں کر آئے۔"

وہ یہ کہتے ہوئے سعید الدین اور چوہدری فاروق کی برسوں پہ محیط دوستی فراموش کرگئی تھیں۔

"میں ہرگز وہاں اپنی عزہ کا رشتہ نہیں کروں گی۔ جان نہ پہچان میں تیرا مہمان والا حساب ہے۔ آپ بڑے ابا کو انکار کردیں۔ عزہ ابھی پڑھ رہی ہے میں اتنی جلدی اس کی شادی نہیں کروں گی۔ بڑے ابا جو لارا لگا آئے ہیں میں اور تم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں میں اپنی بیٹی کو جیتے جی کنویں میں دھکا نہیں دے سکتی۔"

رحمہ کو یہ غصہ تھا کہ ورشہ بیاہ کر باہر چلی جائے گی اور ان کی عزہ کے لیے گاؤں میں رشتہ دیکھا جارہا ہے۔ وہ سخت غصے میں تھیں اور بجلی کی طرح کڑک رہی تھیں۔

"گاؤں میں رشتے کا سن کر صوفیہ بھابھی کس طرح خوش ہو رہی تھیں دیکھا تھا؟" رحمہ نے جلال کی توجہ اس بالکل انوکھے نکتے کی طرف دلائی تھی۔ وہ سرہلا کر رہ گئے۔ رحمہ سے اختلاف کرنا ان کے بس سے باہر اور مسائل کو دعوت دینا تھا۔

صوفیہ اور عائلہ بھی ان کے پاس آئی تھیں۔

"بھئی بڑے ابا تو چھپے رستم نکلے۔ [illegible] لڑکا بھی پسند کر آئے اور کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ ایسی بھی کیا رازداری کہ کسی کو بتائے بنا ہی سب طے کرلیا۔ خیر کیا سوچا ہے تم نے اور جلال نے؟" یہ عائلہ بھابھی تھیں۔

"بھابھی! سوچنا کیا ہے' میری طرف سے انکار ہے۔ آپ کی دونوں بچیوں کے رشتے بھی بڑے ابا نے ہی طے کیے تھے۔ ورشہ کا بھی سب کے سامنے ہے۔ میری عزہ نے کون سا جرم کیا ہے جو وہ اسے گاؤں میں بیاہ کر گنوانا چاہتے ہیں۔ میں کبھی ایسا ہونے نہیں دوں گی۔" انہوں نے اپنے خیالات چھپانے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"ارے یہ کیا کررہی ہو۔ ایک بار دیکھ تو لو مل تو لو۔ یاسر، فاروق چوہدری کے گاؤں جاچکے ہیں۔ ان کا پوتا کوئی ایسا ویسا تو نہیں ہوگا۔"

"بھابھی! آپ نے سنا نہیں۔ بڑے ابا کیا کہہ رہے تھے۔ لڑکا مہذب اور سلجھا ہوا ہے۔ فی زمانہ تعلیم شکل و صورت 'مالی حالات سب کچھ بیٹی کا رشتہ طے کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ صرف مہذب ہونا ہی کافی نہیں ہو سکتا۔ کہیں آپ ایسا رشتہ قبول کرلیتیں جو مجھے کہہ رہی ہیں۔"

"میرا خیال ہے فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار دیکھ ضرور لینا چاہیے۔" عائلہ نے مناسب بات کی تھی مگر رحمہ تو جلتے توے پہ بیٹھی تھیں۔

ان کا موڈ دیکھ کر صوفیہ بھی کچھ نہیں بولی تھیں۔ دونوں بددل ہو کر اٹھ آئی تھیں۔ رحمہ کے الفاظ سے حسد صاف ظاہر ہو رہا تھا اور صوفیہ کو وجہ اچھی طرح معلوم تھی۔ وہ تو اس لیے آئی تھیں کہ رحمہ کے

خیالات معلوم کرکے ابوبکر کی بڑائی بیان کریں پر رحمہ نے اس کی نوبت آنے ہی نہیں دی تھی۔

☆ ☆ ☆

جلال اور رحمہ دونوں سعید الدین کے سامنے بیٹھے تھے۔ جلال نے اپنی بات مکمل کرکے سر جھکا لیا تھا۔ رحمہ کے تیور دید انگنہ تھے۔

"بڑے ابا! میرے ماموں نے مجھ سے عزہ کے رشتے کی بات کی تھی اسامہ کنسٹرکشن انجینئر ہے مجھ سے غلطی ہو گئی جو آپ کو نہیں بتایا۔"

رحمہ نے سفید جھوٹ بولا تھا۔ ایک ثانیے کے لیے جلال بھی حیران رہ گیا تھا۔ اس کے سامنے گرجنے برسنے والی رحمہ بڑے ابا کے سامنے بھیگی بلی بنی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے بڑی چالاکی اور نرمی سے بات کی تھی۔

"بڑے ابا ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے بچوں کی اتنی فکر کرتے ہیں۔ عزہ کے لیے لایا گیا رشتہ ہم دل و جان سے قبول کر لیتے اگر ماموں جان اپنے اسامہ کے لیے بات نہ کر چکے ہوتے۔"

"مجھے کیوں نہیں بتایا؟" بڑے ابا کو دلی رنج ہوا تھا کہ انہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ جلال نے رحمہ کی طرف امداد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ ایسے موقعوں پہ انہیں ہمیشہ بیوی کے سہارے کی ضرورت پڑتی تھی۔

"جلال اس بات کا ذکر آپ سے کرنے والے تھے کہ درمیان میں یہ آبدار والے سلسلے نے مت ہی مار دی پھر میرے ذہن سے بھی یہ بات نکل گئی ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم اس بات کا ذکر آپ سے نہ کرتے میں نے اسامہ کے سلسلے میں ابھی ہاں نہاں میں کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ آپ کہیں تو میں اپنے میکے والوں کو صاف انکار کر دوں گی۔"

رحمہ نے بڑی صفائی سے سعید الدین کو رام کر لیا تھا۔ یہ تو اب ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ اسامہ کے بجائے دوست کے پوتے کو اولیت دیتے۔

"اسامہ اچھا لڑکا ہے۔ عزہ کے لیے مناسب ہے۔"

انہوں نے مختصراً کہا۔ وہ پریشانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فاروق کو امید دلا آئے تھے۔ وہ ان کے بارے میں کیا سوچے گا کہ دوست نے کیسی دوستی نبھائی ہے۔

"اچھا اب تم لوگ جاؤ اللہ عزہ کا نصیب اچھا کرے۔" انہوں نے دیوار کی طرف کروٹ بدل لی تھی۔ رحمہ نے مسکراتی نگاہوں سے جلال کی طرف دیکھا۔ میدان اس کے ہاتھ میں رہا تھا۔ بڑے ابا کی نگاہوں میں سرخرو بھی رہی تھی اور میدان بھی مار لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آبدار حسب معمول لان کی طرف جانے والی سیڑھیوں پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شام کو وہ سنبل کے درخت کے نیچے پڑی سنگ مرمر کی بینچ پہ بیٹھتی تھی۔ اور رات کو اس کا ٹھکانہ سیڑھیاں ہوتی تھیں۔ یہ سیڑھیاں بچپن سے ہی اس کی ہمراز و دم ساز تھیں۔ گھر کے اس کونے سے اسے بے پناہ انسیت تھی۔

بارھویں تاریخ کا چاند چمک رہا تھا۔ فضا میں ہلکی ہلکی محسوس کی جانے والی خنکی رچی ہوئی تھی۔ آبدار اپنے خیالوں سے چونک گئی۔ چاندنی میں کافی کچھ واضح ہو رہا تھا۔ عقبی سمت سے دو وجود پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے مغربی سمت سے لان میں داخل ہوئے۔ آبدار دور بیٹھے ہوئے بھی بتا سکتی تھی کہ یہ ابوبکر اور ورِیشہ ہیں۔ دونوں آکر سنبل کے درخت کے نیچے پڑی بینچ پہ بیٹھے تھے۔ آبدار کی ساری حسیات آنکھوں میں مرتکز ہو گئی تھیں۔ ورِیشہ نے ابوبکر کے کندھے پہ سر رکھا تھا۔ اور ابوبکر کا ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل تھا۔ اتنی دور سے ہوا کے دوش پہ وعدہ، ہمدم آوازیں ہی سن سکتی تھی جو مبہم سی تھیں۔ ابوبکر کو دو دن بعد چلے جانا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے ورِیشہ کے آنچل میں بہت سے خواب اور امیدیں باندھی تھیں جن کا سرا پکڑے پکڑے وہ بہت دور نکل آئی تھی۔

آبدار نے اپنی آنکھوں سے تمام خواب نوچ ڈالے تھے۔ وہی خواب اب ورِیشہ کی آنکھوں میں سج چکے تھے۔ اپنے خواب کسی اور کی آنکھوں میں سجے دیکھنا کیسا لگتا ہے۔ یہ کوئی آبدار سے پوچھتا۔

یہ کیسا خلا ہے
جو خوابوں کے رستے میری روح میں آ گیا ہے
میں جس پھول بن میں
ہری گھاس پہ تتلیاں چن رہی تھی
وہ فرش میرے قدموں سے کیسے جدا ہو گیا
میں جس آسماں کے
ستاروں میں اپنا ستارہ الگ کر رہی تھی
وہ تاروں بھری چھت مرے سر سے کیوں ہٹ گئی
زمیں پہ ہوں نہ میں زیر فلک
ترے ساتھ ہوں نہ تیرے بغیر
چلے جا رہی ہوں میں اپنے بغیر......

آبدار کے اندر ہولے ہولے کوئی سسکیاں لے رہا تھا۔ چاندنی رات میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ ابوبکر اور ورِیشہ اٹھ کے جا چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

بڑے ابا کی پیشانی کی دائیں رگ ہولے ہولے پھڑک رہی تھی۔ ایسا تب ہی ہوتا تھا جب وہ بہت پریشان ہوتے تھے۔ رحمہ ان کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا۔ رحمہ نے کچھ روز پہلے کیری سے جو بے ضرر سا مشورہ کیا تھا اسے بڑھا چڑھا کر ان کے گوش گزار کر دیا تھا اور ساتھ میں یہ تجویز بھی دی تھی کہ عزہ نہ سہی آبدار بھی تو میری ہی بیٹی کی طرح ہے۔ آپ اپنے دوست کو ہاں کہہ دیں۔ عزہ اور آبدار میں کوئی فرق تو نہیں ہے ناں۔ اس طرح عزہ کی پریشانی بھی کم ہو جائے گی اور آبدار کے حوالے سے بدنامی کا باب بھی خود بہ خود ہی بند ہو جائے گا۔ ورنہ اپنے خاندان میں وہ جس طرح بدنام ہو گئی ہے اسے دیکھتے ہوئے بہت مشکل ہے کہ کوئی خاندان سے اس کا رشتہ طلب کرے۔"

ان کی بات میں کافی وزن تھا لیکن یہ بات بھی سچ تھی کہ آبدار کو بدنام کرنے والے بھی اپنے ہی تھے۔ رحمہ کا مقام سعید الدین کی نگاہوں میں بڑھ گیا تھا۔ انہیں اس گھر کی کتنی فکر تھی۔ آبدار کی کتنی فکر تھی۔ وہ واقعی اچھوں کی طرح سوچ رہی تھیں۔ رحمہ نے تو یہ سب اس لیے کیا تھا کہ بڑے ابا کے دل میں ان کی طرف سے کوئی میل نہ آئے۔ انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ عزہ کے لیے آیا رشتہ آبدار کے سر منڈھ دیا تھا۔

"سسرال میں جا کر شوہر کے بھائی کے دو دو بچوں کو سنبھالنا پڑا تو تیر کی طرح سیدھی ہو جائے گی۔ عقل ٹھکانے آ جائے گی گاؤں جا کے۔"

ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہی تھیں کہ اس طرح عزہ ساری عمر ان کی شکر گزار رہیں گی اور بڑے ابا کی نگاہ میں ان کا مقام اور بھی بلند ہو جائے گا اور عائلہ بھابھی جو اپنے آگے کسی کو کچھ گردانتی نہیں جل بھن جائیں گی۔ کچھ ایسا ہی حال صوفیہ بھابھی کا بھی ہوگا جو ابوبکر سے ورِیشہ کا رشتہ طے ہونے کے بعد خود کو توپ شے تصور کرنے لگی ہیں۔

"بات تو تم نے بہت اچھی کی ہے لیکن میرے دوست کو عزہ پسند آئی تھی اور نہ جانے وہ میری تجویز سے متفق ہو یا نہ ہو پھر آبدار کی طرف سے بھی پریشانی ہے۔ وہ کوئی سخت رد عمل ظاہر نہ کرے۔" بڑے ابا کے سامنے تین تین میدان تھے۔

"بڑے ابا! آپ نے ہی کہا تھا ناں کہ آپ کے دوست ہمارے خاندان میں رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں۔ عزہ ہو یا آبدار ایک ہی بات ہے اور بڑے ابا! آبدار کی جتنی جلدی شادی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پہ سلامت رکھے۔ آپ یہ کام اپنے جیتے جی اپنے ہاتھوں سرانجام دیں۔ یتیم بچی ہے اوپر سے نادانی میں غلطی بھی کر بیٹھی ہے۔ جوان ہے۔ منہ زور ہے۔ میں نہیں چاہتی۔ ہم کوئی بڑا نقصان برداشت کریں۔ آپ اپنے اختیار کا استعمال کریں۔

بچوں کی کیا جرأت کہ بڑوں کے آگے زبان کھولیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا آپ کو بتا دیا۔ باسط اور تبدار ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ آگ اور دیا سلائی کا ساتھ ہے یہ بڑے ابا۔"

رحمہ نے ان کے سامنے صورت حال واضح کر دی تھی۔ وہ اب سر پکڑ کر پریشان بیٹھے تھے۔ رحمہ انہیں اسی حال میں چھوڑ کر کنزہ کی طرف آ گئیں۔ وہ لیٹی ہوئی تھیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تبدار کالج گئی ہوئی تھی۔ رحمہ کو دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔

"آیئے بھابی بیٹھیں۔"

"کیوں بے وقت لیٹی ہوئی ہو؟"

"بس بھابی! سر میں کچھ درد تھا اس لیے گولی کھا کر آرام کر رہی تھی۔"

"میں تمہارے سر درد میں اور اضافہ نہیں کرنا چاہتی بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ تبدار پہ نظر رکھا کرو۔ اتنی بدنامی ہو چکی ہے۔ اس کے بعد ایسا کچھ سوچنا بھی محال ہے۔ لیکن میں نے کچھ روز پہلے صبح صبح تبدار کو باسط کے ساتھ بات کرتے دیکھا۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے جتنا جلدی ہو سکے تبدار کی شادی کر دو۔ اس سلسلے میں میں ابھی بڑے ابا کے ساتھ بات کر کے آ رہی ہوں۔ یہ تو تمہیں پتا ہی ہوگا کہ عزہ کے لیے بڑے ابا کے دوست کے پوتے کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ عزہ کی جگہ تبدار کے لیے میں ہاں کر دی جائے۔ کیونکہ عزہ کو تو اور بھی ایک سے ایک اچھا رشتہ مل جائے گا لیکن تبدار جس حد تک بدنام ہو چکی ہے۔ اس کے بعد کسی اچھے رشتے کے بارے میں سوچنا بھی محال ہے۔"

کنزہ نے رحمہ کے ہاتھ پکڑ لیے "بھابی اگر ایسا ہو جاتا ہے تو میں ساری زندگی آپ کی شکر گزار رہوں گی۔ آپ نے اتنا سوچا میرے لیے۔ میں اس احسان کو بھولوں گی نہیں۔" ممنونیت کے احساس سے کنزہ کی آنکھ میں آنسو بھر آئے تھے۔

"ارے تم میری بہن کی طرح ہو اور تبدار عزہ کی طرح ہے۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں نہیں سوچیں گے تو اور کون سوچے گا۔" رحمہ نے اپنائیت سے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"ٹھیک ہے بھابی! میں بالکل راضی ہوں۔ یہ کرموں جلی اپنے گھر کی ہو جائے تو میں سکون سے مر تو سکوں۔ راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں اس کے بارے میں سوچتے سوچتے۔" کنزہ پھپک پھپک کر رونے لگیں۔ رحمہ نے دلاسا دینے والے انداز میں انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

"کیوں دل چھوٹا کرتی ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس حوصلہ قائم رکھو۔"

"کیسے حوصلہ قائم رکھوں۔ اس اولاد کے ہاتھوں جیتے جی مر گئی ہوں۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں دیکھنے والوں کو چلتی پھرتی سانس لیتی زندہ نظر آتی ہوں مگر اندر سے زندہ لاش کی مانند ہوں۔"

کنزہ بری طرح بکھر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ایمن پھوپھو کی صورت بہت دن بعد نظر آئی تھی۔ رات کو ان کی فلائٹ تھی۔ جانے سے پہلے کنزہ اور تبدار سے ملنے آئی تھیں۔ وہ ان کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی سی محسوس کر رہی تھیں۔ کنزہ تو سر اٹھا کر بات ہی نہیں کر رہی تھیں اور تبدار ٹکر ٹکر ان کے منہ کی طرف دیکھتی۔ اس کی خاموش نگاہوں میں بہت سارے سوال ہوتے تھے۔ ایک سے ایک نوکدار سوال۔ وہ ابھی آ کر ہی بیٹھی تھیں۔ کنزہ نے خاطر مدارت کی غرض سے پوری ٹیبل کھانے پینے کے لوازمات سے سجا دی تھی۔

انہوں نے ابھی تک کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کنزہ اور تبدار دونوں ان کے سامنے بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ابوبکر ورشہ کے ساتھ چلا آیا۔ ورشہ تو ویسے بھی ان کے پورشن میں کم ہی آتی تھی لیکن ابوبکر کی آمد بھی کم حیران کن نہیں تھی۔ دونوں سلام کر کے بیٹھ گئے۔

"تم تو چھپ کر ہی بیٹھ گئی ہو۔ جانے کس دنیا میں

گم رہتی ہو۔ کبھی ہماری طرف بھی چکر لگا لیا کرو۔ تم تو ہمیں کچھ نہیں سمجھتیں لیکن میں تو تمہیں اپنی کزن ہی سمجھتی ہوں۔ ابوبکر کے ساتھ رشتہ طے ہونے کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ میرا تمہارا رشتہ ختم ہو گیا ہے۔"

ورشہ نے اپنائیت کے پردے میں بھرپور طنز کیا تھا۔ تبدار ایک لفظ بھی نہیں بول سکی۔

"مجھے تو منگنی پہ بھی تمہارا انتظار رہا۔ میں صرف تمہارے لیے منگنی کی یہ تصویریں لے کر آئی ہوں۔ لو دیکھو۔" ورشہ نے البم اس کے ہاتھوں میں زبردستی تھمایا۔ کنزہ کچن میں تھیں۔

تبدار نے مدد طلب نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ابوبکر نے جانے کیوں نظر چرا لی تھی۔ تبدار نے مرے مرے ہاتھوں سے تصویروں والا البم کھولا۔ اس کی نگاہ اور سوچ ایک لمحے پہ مرتکز نہیں تھی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں سجی بنی ابوبکر کے پہلو میں بیٹھی ورشہ کی تصویروں کو دیکھے جا رہی تھی۔ ورشہ اسی کی سمت متوجہ تھی۔

"تم نے میری منگنی کا جوڑا بھی نہیں دیکھا۔ آنا ہماری طرف دکھاؤں گی۔ بہت زبردست ہے اور یہ دیکھو منگنی کی انگوٹھی۔" ورشہ نے بایاں ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ کنزہ کچن سے آ گئی تھیں اور ایمن کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔

"یہ دیکھو ابوبکر نے یہ کنگن مجھے اپنی طرف سے گفٹ کیا ہے۔" ورشہ نے وہ حیا چھلکتی کلائی میں پڑا موٹا سا کنگن اسے دکھایا۔ جو ابوبکر کی چوائس تھی۔

"ہاں۔ بہت خوب صورت ہے۔" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا اور تصویروں والا البم ورشہ کی گود میں ڈال دیا۔

"مما! میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔" وہ اچھی طرح محسوس کر رہی تھی کہ ابوبکر اس کی موجودگی سے بے سکون ہو رہا ہے۔ ورشہ جانے کس طرح اسے یہاں اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

"ارے تم نے نماز پڑھنی کب سے شروع کر دی ہے۔" ورشہ حیرانی سے گویا ہوئی۔ تبدار نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے نکل گئی۔

"واہ تبدار تو نمازن ہو گئی ہے۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ایمن کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے ورشہ کی طرف دیکھا تو پھر خاموش ہو گئی۔ تبدار منظر سے ہٹ گئی تھی۔ اسے اب یہاں کوئی دلچسپی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو اسے جلانے اور اپنی کامیابی کا جتانے یہاں تک آئی تھی لیکن تبدار کے تاثرات تو پتھر کی طرح سپاٹ اور جامد تھے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ایمن اور ابوبکر جا چکے تھے۔ ان کے دم سے گھر میں جو چہل پہل تھی۔ وہ کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔ سعید الدین ایمن کے جانے کے انتظار میں تھے۔ وہ رات کو رخصت ہوئی صبح سعید الدین فاروق چوہدری کے ہاں جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ اس بار وہ ان کے ساتھ یاسر احمد بھی تھے۔

فاروق اتنی جلدی ان کی آمد کی توقع نہیں کر رہے تھے وہ بہت خوش ہوئے۔ یاسر اس سے پہلے صرف ایک بار ان کے ہاں آئے تھے لیکن ڈیرے سے ہی لوٹ گئے تھے۔ حویلی میں وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور مکینوں کی حیثیت سے بہت مرعوب لگ رہے تھے۔

فاروق کچھ اور ہی سمجھ رہے تھے۔ سعید الدین نے ڈرتے ڈرتے بات کی تھی کہ عزہ کے سلسلے میں ان کی بہو بیٹا پہلے ہی کسی اور کو زبان دے چکے ہیں یہ بات ان کے علم میں نہیں تھی ورنہ وہ ضرور ذکر کرتے اور عزہ کے معاملے میں انہیں کوئی بھی امید نہ دلاتے۔ چوہدری فاروق اب بہت بجھے بجھے لگ رہے تھے ان کی ساری خوشی اور جوش دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔

"لیکن تم اگر پسند کرو تو ایک اور تجویز بھی ہے۔" سعید الدین کو فاروق کے چہرے پہ پھیلے مایوسی کے سائے دیکھ کر ازحد دکھ ہوا۔

"کون سی تجویز؟ کھل کر بات کرو۔ میں سمجھا نہیں۔"

"تمہیں پتہ ہی ہے میرا ایک بیٹا احسان احمد نوجوانی میں ایکسیڈنٹ کے بعد شدید زخمی ہو کر وفات پا گیا تھا۔ اس کی صرف ایک ہی اولاد ہے۔ آبدار نام ہے۔ عزہ سے سال ڈیڑھ سال بڑی ہے۔ کالج کے آخری سال میں ہے ماشاءاللہ خوب صورت ہے۔ یتیم بچی ہے باپ کے سائے سے محروم ہے اور میری بہو کنزہ اتنی چالاک ہوشیار عورت نہیں ہے کہ میرے گزر جانے کے بعد حالات سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہو سکے۔ میں بیمار رہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ میری زندگی میں ہی آبدار اپنے گھر کی ہو جائے۔ خود غرضی اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ مشکلات میں اپنے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ میرے بعد کیا ہوگا۔ میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہتا ہوں۔ تم اگر پسند کرو اور یاور کے لیے تمہاری مرضی ہو تو آ کر دیکھ لو پھر جو بھی فیصلہ کرو۔"

فاروق خاموش ہو گئے تھے۔ دوبارہ کھل سے گئے۔

"میرے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ تمہاری پوتی ہے۔ میں ضرور آؤں گا لیکن باقاعدہ طریقے سے رشتہ مانگنے۔"

سعید الدین بے طرح خوش نظر آ رہے تھے۔ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے دل ہی دل میں کہ آبدار کے معاملے میں کرم ہو گیا تھا اور بات بن گئی تھی۔

وہ جلد از جلد واپس جا کر کنزہ اور رحمہ کو یہ خوش خبری سنانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس طرف لانے اور یہ تجویز دینے والی رحمہ ہی تھی ورنہ وہ عزہ کے لیے انکار کر کے فاروق کے سامنے ساری زندگی شرمندہ ہی رہتے۔ اس کامیابی کا سہرا رحمہ کے سر تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کے سب بہو بیٹے اور پوتے پوتیاں جمع تھے۔ سعید الدین نے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ فاروق باقاعدہ طور پہ آبدار کا رشتہ مانگنے اسی ہفتے آ رہے ہیں۔ انہوں نے رحمہ کو سب کے سامنے سراہا تھا اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

کنزہ بھی بہت خوش تھیں۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھیں کہ بیٹھے بٹھائے آبدار کے لیے اتنا اچھا رشتہ مل گیا ہے کیونکہ بڑے ابا اپنے دوست کی بہت تعریف کرتے تھے۔ یاسر نے صوفیہ کو چوہدری فاروق کی شاندار حویلی اور رہن سہن کے بارے میں بتایا تھا۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ سعید الدین جس دن فاروق کے ہاں گئے تھے اس دن ان کا ارادہ جلال کو بھی ساتھ لے جانے کا تھا لیکن وہ ایک بزنس میٹنگ میں شرکت کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ورنہ وہ تو فاروق چوہدری کے ٹھاٹ باٹ اور شاندار رہن سہن دیکھ کر اپنے اور رحمہ کے فیصلے پہ اسی وقت نظر ثانی کر لیتے۔

یاور سے یاسر احمد کی ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ ضروری کام کے سلسلے میں شہر گیا ہوا تھا۔ عائلہ اور صوفیہ سعید الدین کو گھیرے بیٹھی تھیں اور چوہدری فاروق کے ساتھ ساتھ ان کے پوتے کے بارے میں بھی مختلف سوال کر رہی تھیں۔ وہ کھل کر جواب نہیں دے رہے تھے۔ ان کی حاسدانہ ذہنیت سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ رحمہ نے تو انہیں اپنے ٹرانس میں لے رکھا تھا لیکن عائلہ اور صوفیہ دونوں بڑی بہوؤں کی طرف سے وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے ہی آبدار کو پورے خاندان میں بڑھا چڑھا کر بدنام کیا تھا۔ وہ ان سب باتوں سے اچھی طرح واقف تھے بس زبان پہ مصلحت نے تالے ڈال رکھے تھے۔ اب ان کی مرضی تھی کہ آبدار کی شادی جتنی جلدی اور خاموشی سے ہو۔ اتنا ہی اچھا ہے۔ عائلہ کی بڑی بہو عمارہ تو آبدار کو دیکھنا تک گوارا نہیں کرتی تھی۔

عائلہ اور صوفیہ سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ موضوع گفتگو آبدار کے لیے آیا ہوا رشتہ ہی تھا۔ یاسر احمد گاؤں جا کر جو کچھ دیکھ آئے تھے آ کر سب حال احوال صوفیہ کے گوش گزار کر دیا تھا۔ عجیب سی کھد بد سی لگی ہوئی تھی وہ بڑی جذباتی سے تصدیق کرنا چاہ رہی تھیں

کہ یاسر نے فاروق چوہدری کی حیثیت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں کتنا سچ ہے۔ کیونکہ ان عورتوں میں سے سوائے ان کی مرحومہ ساس کے کوئی بھی چوہدری فاروق کے گاؤں نہیں گیا تھا۔

اب سعید الدین کی دونوں بہوویں بذات خود چوہدری فاروق کے گھر جانا چاہتی تھیں مگر ابھی اس کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ پہلے چوہدری فاروق نے خود آنا تھا بات طے کرنے۔ اس کے بعد ہی کوئی ادھر جا سکتا تھا۔

عمارہ کو آبدار کے رشتے کی سب سے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔

"اچھا ہے بیاہ کر یہاں سے تو اپنی شکل گم کرے گی۔" عمارہ کو تو اس کا نام سنتے ہی آگ لگ جاتی تھی۔

آبدار کے رشتے کی رحمہ آنٹی کے بعد سب سے زیادہ وہی حمایت کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آبدار حسب معمول اپنی پسندیدہ جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شام کا اداس سمے تھا۔ دونوں وقت گلے مل رہے تھے۔ سامنے "آنکہ" عمر اور شاہ میر تینوں اکٹھے کھیل رہے تھے۔ فٹ بال اس وقت شاہ میر کے قبضے میں تھا اور وہ کک لگانے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ آبدار بڑی محویت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا عرصہ بیت گیا ہے ان کے ساتھ کھیلے۔ اس واقعے کے بعد آبدار کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان سے بات بھی کرے۔ شاہ میر تو جھجک کا شکار تھا آنکہ اور عمر اپنی اپنی ماؤں سے ڈرتے تھے۔

"آبدار! آبدار! کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ سنائی نہیں دے رہا کیا؟" کنزہ اس کے سر پہ کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"سوری مما! مجھے تو کوئی آواز نہیں آئی۔" وہ ہڑبڑا کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اندر آؤ۔ تم سے بات کرنی ہے۔" کنزہ ٹھنڈی سانس بھرتی وہیں سے پلٹ گئیں۔

آبدار ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ شاہ میر نے ایک بار اسے پکارنا چاہا لیکن پھر اسے جاتے دیکھ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"جی مما! کیا بات ہے؟"

"اصل میں تمہارا ایک رشتہ آیا ہے۔ بڑے ابا کے دوست کا پوتا ہے۔ تم تو اپنے آپ میں گم رہتی ہو گھر میں ہونے والی کسی بات کی تمہیں خبر ہی نہیں ہے۔ پہلے یہ رشتہ عزہ کے لیے آیا تھا لیکن رحمہ بھابی پہلے ہی اپنے ماموں کو ہاں کر چکی ہیں۔ رحمہ بھابی نے ہی بڑے ابا سے کہا کہ عزہ نہ سہی آبدار ہی سہی۔ آپ اپنے دوست سے بات کریں۔ بڑے ابا ہی یاسر بھائی کو ساتھ لے کر گاؤں گئے تھے۔ اب اس ہفتے بڑے ابا کے دوست تمہارا رشتہ مانگنے آ رہے ہیں۔ تمہیں بتا رہی ہوں کہ کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔ پہلے ہی بہت بدنامی اٹھا چکی ہوں مزید کی سکت نہیں ہے۔ چپ کر کے شادی کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤ میری بھی فکر ختم ہو۔"

کنزہ کے لہجے میں سرد مہری تھی۔ آبدار نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ وہ تو آج مما کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ پڑھائی میں پہلے کی طرح لاپروا "نالائق اور نکمی" نہیں رہی ہے۔ اب اس نے سنجیدگی سے محنت شروع کر دی ہے جس کا احساس اس کی ٹیچرز کو بھی ہو گیا ہے۔ کیونکہ سیکنڈ ایئر میں اس نے بہت اچھی کارکردگی دکھائی ہے۔ اپنے تئیں اس نے کامیابی کا راز پڑھائی میں ڈھونڈ لیا تھا اور ساری محنت اسی پہ صرف کر رہی تھی۔ وہ اپنی کلاس کی ذمہ دار اور قابل اسٹوڈنٹ تصور کی جانے لگی تھی۔ آبدار جی جان سے محنت کر رہی تھی کہ شاید اس طرح سب کی نفرت پھر سے محبت میں بدل جائے اور وہ سرخرو ٹھہرے۔ کیونکہ اس کے خیال میں ورشہ "عزہ" کی سب اسی لیے تعریف کرتے تھے کہ وہ پڑھائی میں بہت اچھی تھیں۔ وہ یہ بات بھول گئی تھی یا پھر اس کا دھیان ہی کبھی اس سمت نہیں گیا کہ ان دونوں کی مائیں اٹھتے بیٹھتے ان کی تعریفیں کرتے تھکتی نہیں تھیں جبکہ کنزہ ان کے

مقابلے میں آبدار کی نالائقیوں' بدتمیزیوں اور شرارتوں کا ہی رونا روتی رہتیں۔

آبدار سر جھکائے خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ عزہ کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔

✲ ✲ ✲

وہ دونوں ہاتھ کھول کر سامنے پھیلائے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ کھوج رہی تھی۔ ممانے شادی رشتے' بڑے ابا کے دوست کی بات کی تھی۔ غور کر کے اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی کہ بہت سارے پڑھنا لکھنا ہے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنا ہے۔ اس کی ذات پہ جو داغ ناحق لگا ہے وہ ایک دن دھو کر دکھانا ہے۔ اس نے بھلائی کی طرف پہلی اڑان بھرنے کی سوچی ہی تھی کہ اس کے پر ہی کاٹ دیے گئے جانے کا فیصلہ سنا دیا گیا۔

اور رشتہ بھی اس کے حصے میں وہ آیا' جو رحمہ چچی کا ٹھکرایا ہوا تھا۔ وہ اتنا ہی اچھا ہوتا تو چچی خود کر لیتیں اس کے لیے اتنی ہمدردی نہ دکھاتیں کیونکہ آبدار کے ساتھ تو ان کا الٹ کے والا بیر تھا۔ لاپروا ہونے کے باوجود اس کی کچھ حسیات بہت تیز تھیں۔ ان میں سے ایک حس سامنے والے شخص کو جاننے کی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے رحمہ چچی نے عزہ کے لیے اپنے ماموں کے بیٹے کے رشتے کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔ ورنہ ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ عزہ کے لیے رشتہ آتا اور وہ خاموشی سے اس بات کو ہضم کر جاتیں وہ تو معمولی معمولی کامیابیوں کو بڑھا چڑھا کر ڈھنڈورا پیٹ کر پیش کرنے کی عادی تھیں۔ انہوں نے صاف طور پہ یہ رشتہ آبدار کے سر منڈھ کر اپنی جان چھڑائی تھی۔ دلہ دلہ بھی ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنی بیٹی کا راستہ بھی صاف کر دیا تھا۔

مما بڑے ابا کے جس دوست کا ذکر کر رہی تھیں۔ وہ اس بنتے آ رہے تھے یعنی اپنی ذات پہ اس کا اختیار ختم ہونے کے قریب تھا۔ اس نے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے' بلند بھلائی کا اصل چہرا دکھانے کا جو خواب دیکھا تھا۔ وہ شرمندۂ تعبیر ہونے والا نہیں تھا۔ مما اس کی شادی جلد از جلد کر کے اسے یہاں سے رفصان کرنے کے چکر میں تھیں۔ اسے اپنا خواب بھول جانا ہو گا۔ ابو بکر کتنی جلدی اس کی زندگی میں داخل ہو کر نکل گیا تھا۔ بے انت مسافت تھی اور اس کے پاس زادِ راہ تک نہیں تھا۔

چوہدری فاروق دوپہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ان کے ساتھ حاجرہ بیگم کی سب سے بڑی بہن اور ان کی بہو کے علاوہ ان دونوں کے شوہر حضرات بھی تھے۔ سارا گھر ادھر ہی جمع تھا۔ وہ شان دار گاڑیوں میں باوردی ڈرائیور سمیت آئے تھے۔ عورتوں کا رکھ رکھاؤ' قیمتی جیولری اور پہنے گئے ملبوسات بتا رہے تھے کہ ان کا تعلق کس قسم کے خاندان سے ہے۔ حاجرہ بیگم کی بہن کی بہو اور اس کا شوہر دونوں ڈاکٹر تھے اور ان کا اپنا اسپتال تھا۔ ان کے انداز اور بات چیت میں کسی غرور کا شائبہ تک نہیں تھا۔

خاموش خاموش سی آبدار چوہدری فاروق کو بہت اچھی لگی تھی۔ ہنستی مسکراتی شوخ سی عزہ کے برعکس وہ انہیں بہت سنجیدہ طبع معلوم ہو رہی تھی۔ حاجرہ خانم کی بہن کو بھی آبدار یاور کے لیے بہت مناسب لگی تھی۔ وہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہیں جن کے جواب وہ بھی مختصر لفظوں میں دیتی گئی۔

چوہدری فاروق نے ان سب کو اپنے ہاں انوائیٹ کیا تھا۔ اس کے بعد منگنی کی رسم ہونا تھی اور دو ماہ کے اندر اندر شادی کا انتظام بھی کرنا تھا۔

چوہدری فاروق اور ان کی فیملی کے جانے کے بعد بھی ان کا ذکر ہوتا رہا۔ رحمہ کچھ پچھتا سی رہی تھیں' کیونکہ بڑے ابا کے دوست بہت اعلا حیثیت کے نظر آ رہے تھے۔ لیکن فی الحال وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں' اپنی جلدبازی کا ثبوت نہیں دینا چاہتی تھیں۔ ابھی کسی نے بھی لڑکا نہیں دیکھا تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا تھا۔ ابھی تو فی الحال تحمل اور تیل کی دھار دیکھنی تھی۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

دیتا ہے۔ سارے ثبوت اس کے خلاف جاتے ہیں۔ تائی جان اور باسط سب کے سامنے آبدار کو بری طرح مارتے پیٹتے ہیں اور کمزہ بیٹی کی اس غلطی کو معاف کرنے کو تیار نہیں۔ گھر کی خواتین کے طفیل تمام کہانی مع مسالے کے ساتھ تمام خاندان تک پہنچ جاتی ہے۔ ایمن پھپھو کی آمد پر انہیں بطور خاص یہ خبر دی جاتی ہے۔ وہ آبدار اور کمزہ سے اس کے متعلق پوچھتی ہیں تو آبدار تمام سچائی ان کے سامنے دہرا دیتی ہے۔ سعید الدین کی طرح انہیں بھی آبدار پر لگے الزام کا یقین نہیں۔ تمام حقیقت جان کر ابوبکر آبدار سے شادی سے انکار کرتا ہے۔ یہ صدمہ آبدار کو توڑ ڈالتا ہے۔ وہ سعید الدین، کمزہ اور ایمن پھپھو کے سامنے قرآن پر اپنی سچائی کا حلف لیتی ہے۔ سعید الدین اس معاملے میں کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔ ابوبکر کی منگنی دوریشہ سے دھوم دھام سے ہو جاتی ہے۔ اسی محفل میں سعید الدین کے دوست چوہدری فاروق اپنے پوتے یاور چوہدری کے لیے عزہ کو پسند کرتے ہیں۔ وہ رشتے کا عندیہ دیتے ہیں تو یاور کو دیکھنے سعید الدین گاؤں جاتے ہیں۔ ان کا شاہانہ رہن سہن اور یاور کا خاندانی انداز اور وجاہت دیکھ کر وہ چوہدری فاروق کو گرین سگنل دے دیتے ہیں۔ گھر آ کر جب وہ اپنے بیٹے جلال احمد اور بہو رحمہ سے عزہ کے رشتے کی بات کرتے ہیں تو رحمہ بتھے سے اکھڑ جاتی ہیں۔ وہ مختلف حیلے بہانوں سے یہ رشتہ منع کر دیتی ہیں اور بظاہر ہمدردی سے اس رشتے کا رخ آبدار کی جانب موڑ دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں گاؤں کی [illegible] زندگی اور ذمہ داریوں میں پسنے کے لیے آبدار کا وجود کافی ہے۔

چوہدری فاروق کا بڑا پوتا غالب کم عمری میں ناگہانی موت کا شکار ہوا۔ وہ سراپا یاور تعلیم کے لیے شہر میں مقیم تھا لیکن حادثے کے بعد اب مستقل چوہدری فاروق کے ساتھ گاؤں میں مقیم ہے۔ یاور کی ماں حاجرہ خانم ہڈیوں کے کینسر میں مبتلا ہیں اور بستر پر ہیں۔ جبکہ غالب کے دونوں بچوں تابش اور حرا کی تمام ذمہ داری بھی اب اس کے سر ہے۔ والد حارث چوہدری بھی نوجوانی میں انتقال کر چکے ہیں۔ ایسے میں چوہدری فاروق کو یاور کے لیے ایسی دلہن کی تلاش ہے جو اس کی ذمہ داریوں کو بانٹ سکے۔ سعید الدین از خود اپنی عزیز پوتی آبدار کا رشتہ ان کے آگے رکھتے ہیں تو دوستی کا بھرم رکھتے ہوئے بغیر آبدار کو دیکھے رشتے کی حامی بھر لیتے ہیں۔ سعید الدین کے یہاں جب چوہدری فاروق اور ان کے گھرانے کی خواتین آتی ہیں تو ان کا رکھ رکھاؤ اور تام جھام دیکھ کر سب دنگ رہ جاتے ہیں۔ چوہدری فاروق کو کم عمر سی آبدار اپنے پوتے کے لیے پسند آجاتی ہے۔ آبدار نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیا ہے۔ اسے غم ہے تو اس بات کا کہ وہ باسط احمد کا اصل چہرہ سب کو نہیں دکھا پائی۔

(اب آگے پڑھیے)

دوسری اور آخری قسط

ادھر سے جانے کے بعد وہ سب گاؤں گئے تھے۔ حاجرہ خانم کے پاس ان کی بہن اور بہو بیٹھی ہوئی تھیں۔ یاور پہلے سے ہی ان کے کمرے میں موجود تھا۔ حاجرہ بہت خوش تھیں کہ لڑکی کا انتخاب کر لیا گیا تھا۔

چوہدری فاروق نے یاور کو بھی بتا دیا تھا کہ وہ لوگ جلد آئیں گے اور اس کے بعد ہمیں جانا ہے۔ ”تمہیں لڑکی دیکھنی ہے تو چلے جانا۔“ اس کے ہونٹوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

”آپ نے پسند کر لیا ہے یہی کافی ہے۔ آپ جو بھی کریں مجھے منظور ہے۔“

اتنا سا احتجاج اس کا حق بنتا ہی تھا۔ اپنی خوشی میں چوہدری فاروق اس بات کو بھولے نہیں تھے اور ان کا رویہ یاور کے ساتھ دوستانہ ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

گل پری یک ٹک اس کے چہرے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یاور نے اسے بتا دیا تھا کہ بابا جان بات فائنل کر آئے ہیں۔

”بس یہ ہی تھی تمہاری محبت۔“ گل پری نے بمشکل خود کو رونے سے باز رکھا ہوا تھا۔

”تم میرے لیے اتنا سا بھی نہ کر سکے۔ لوگ محبت میں کیا کچھ کر جاتے ہیں۔“

”مجھے الزام نہ دو۔ میں نے تم سے ہر بات کلیئر کر دی تھی، ساری صورت حال تمہارے سامنے تھی۔ تم حویلی آکر بابا جان سمیت امی جان سے بھی ملیں۔ غالب بھائی کے دونوں بچوں کو تم نے دیکھا۔ بابا جان سو فیصد راضی تھے پھر جب شادی کا وقت آیا تو تم ایک چھوٹی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر بیٹھ گئیں۔“

”بس بس چپ کر جاؤ۔“ گل پری چڑ گئی۔ ”تم اس لیے آئے ہو کہ میرا دل جلاؤ یہ بتا کر کہ بابا جان نے لڑکی پسند کر لی ہے۔“

”گل پری! تم اگر اب بھی راضی ہو تو میں انکار کر دیتا ہوں۔“ اس نے جاتی گل پری کا بازو پکڑ کر زبردستی بٹھا لیا۔ لیکن اس نے غصے سے چھڑا لیا۔

”اگر تمہیں میری شرائط منظور ہیں تو بابا جان کو انکار کرو۔ میں گاؤں میں چودھرائن بن کر تمہارے بھائی کے بچے نہیں پال سکتی۔ میں کوئی گورنس یا آیا نہیں ہوں۔“

”گل پری! اس کے بعد ایک لفظ نہ کہنا۔ میرے بھائی کے بچے لاوارث نہیں ہیں جو تم انہیں بار بار پالنے کا طعنہ دیتی ہو۔ تمہارے دل میں ذرا سی بھی نرمی نہیں ہے۔ میں صرف اور صرف حرا اور تابش کی خاطر بابا جان کے کہنے پہ گاؤں واپس گیا ہوں، ورنہ یہ تمہیں بھی پتا ہوگا کہ میری سی ایس ایس کی تیاری کتنی اچھی تھی۔ اپنے لیے سب ہی جیتے ہیں۔“

”بہرحال تم جو بھی کہو میں تمہاری بات سے متفق نہیں ہوں۔ ابھی بھی وقت ہے تمہارے پاس، جس کا انتخاب کرنا ہے کر لو۔ دوسروں کے بچے سنبھالو یا پھر مجھے حاصل کرو۔“

گل پری کی کھٹ کھٹ کرتی ہیل کی آواز دور ہوتے ہوتے معدوم ہوتی چلی گئی۔ وہ اس ہوٹل کے فیملی کیبن میں اکیلا بیٹھا تھا۔ گل پری کب کی جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

گل پری سے اس کا تعلق چار سالوں پہ محیط تھا۔ وہ جس یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا تھا۔ گل پری بھی وہیں زیر تعلیم تھی۔ وہ اس کی کلاس فیلو حمنہ کی دوست تھی۔ اکثر وبیشتر ان ہی کے ڈپارٹمنٹ میں پائی جاتی۔ یاور سے بھی ہلکی پھلکی ہیلو ہائے بھی ہو جاتی تھی۔ گل پری کو اونچا لمبا کڑیل سا یاور شہری لڑکوں کے برعکس بہت اچھا لگتا تھا۔ کب یہ پسندیدگی محبت میں ڈھلی اسے پتا بھی نہیں چلا۔ حمنہ اس کے راز دل سے واقف تھی۔ اس کے دل کا حال حمنہ نے ہی یاور تک پہنچایا۔ گل پری کا تعلق بہت ہی اونچے گھرانے سے تھا۔ یاور اس کے گھر آتا جاتا تھا اور سب گھر والوں پہ گل پری کی پسندیدگی بھی عیاں تھی۔

غالب کی اچانک وفات بہت بڑا سانحہ تھی۔ حاجرہ خانم کو اپنی زندگی میں شوہر کی ناگہانی موت کے بعد جوان بیٹے کی موت کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔ تابش نے بہت اثر لیا تھا۔ وہ انجانے سے خوف کے زیر اثر تھا۔ راتوں کو چیخیں مارتا جاگ پڑتا۔ ادھر معصوم سی حرا تھی۔ اس کے ذہن پہ بھی برے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ حاجرہ خانم خود دوسروں کی محتاج تھیں۔

فاروق احمد بڑھاپے کے آخری منزل پہ کھڑے تھے اس صدمے نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ تابش اور حرا ان کے لیے بہت بڑا امتحان تھے۔ یاور کو اپنے فیوچر پلان سب بھول بھال گئے۔ اب یاد تھا تو صرف یہ ہی کہ غالب بھائی کے بعد اب اسے ہی سب کچھ دیکھنا ہے۔ بابا جان اس گھر کی دیکھ بھال کے لیے ایک عورت کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ تب انہوں نے یاور کی شادی کی تجویز سامنے رکھی۔ صورت حال ایسی تھی کہ وہ انکار بھی نہ کر سکا۔ اس کے سامنے گل پری کی ہی صورت تھی، سو اس نے بابا جان کو کھل کر بتا دیا۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بس وہ اتنا چاہتے تھے کہ یاور بیوی کے ساتھ گاؤں میں رہے اور یہاں [illegible]

انتظام سنبھال لے۔

یاور خود دل سے چاہتا تھا کہ گل پری اگر اس کی مشکلات میں ہاتھ بٹائے اس کی ساری تھکن سمیٹ لے۔ جو غائب بھائی کی موت کے بعد اس کے روم روم میں اتر گئی ہے۔ گل پری نے سنا تو بتے سے ہی اکھڑ گئی۔

گل پری کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا۔ وہ اسے اتنا دیوانہ وار ٹوٹ کر چاہتی ہے کہ کسی کا وجود تک برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ یہ جان کر بہت مسرور تھا۔

اسی سرمستی میں اس نے گل پری کی خواہشات بابا جان تک پہنچائی تھیں ایک دھچکا لینے کے لیے یاور کو یوں لگا کہ جیسے وہ ابھی رو دیں گے۔

محبت کرنے والی گل پری کی خود غرضانہ سوچ سے اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ ہر طرح اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھک ہار کر اس نے بابا جان تک گل پری کا جواب پہنچا دیا۔

"میں اگر تمہارے لیے لڑکی پسند کروں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں بابا جان! آپ جو مرضی کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اس کا انداز ہارے ہوئے جواری جیسا تھا۔

✿ ✿ ✿

یاور نے آخری بار گل پری سے بات کی تھی۔

"بابا جان بے شک تمہارے لیے لڑکی پسند کریں لیکن مجھے پتا ہے تم صرف میرے ہو اور میرے ہی رہو گے۔ میرے سوا کوئی تمہیں اپنا بنا ہی نہیں سکتا۔ تم کیوں دوسروں کے لیے اپنی محبت قربان کر رہے ہو؟"

یاور نے بڑی عجیب نگاہ سے اس کی طرف دیکھا "میں محبت قربان نہیں کر رہا بلکہ تم اپنی ضد کے پیچھے میرا اور اپنا رشتہ قربان کر رہی ہو۔ خیر اب کچھ بچا نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ کل آ رہے ہیں اس کے تین چار دن بعد منگنی ہے۔"

یاور نے چہرے بے تاثر لہجے میں اسے بتایا۔ گل پری نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تم مذاق کر رہے ہو نا مجھے ستا رہے ہو۔ بے نا یہی بات۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا اور اس موڑ پہ میں مذاق کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ خیر تمہیں یہ بتانے گیا تھا کہ تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی نے مجھے بہت سخت کر دیا ہے۔"

یاور نے سامنے پڑی کی چمن اٹھائی اور اسے الوداعی نگاہوں سے دیکھا۔ اس پہ ابھی ابھی یہ انکشاف ہوا تھا کہ گل پری خود غرض ہونے کے ساتھ ساتھ اعلا درجے کی بے رحم اور رشتوں کی نزاکت سے عاری بھی ہے۔

✿ ✿ ✿

اس کی ہونے والی سسرال سے مہمان تشریف لا چکے تھے۔ وہ حرا اور تابش کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ مہمانوں کی آمد پہ کھیل ادھورا چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ بہت سی نگاہیں بیک وقت اس کی طرف اٹھی تھیں۔ ان میں حسد بھی تھا اور رشک بھی۔ کنزہ کی نگاہوں میں پسندیدگی تھی۔ ان کے رہے سہے خدشات ختم ہو گئے تھے۔ آبدار کا نصیب اتنا زور آور اور خوب صورت ہوگا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یاور دیکھنے میں مہذب اور خوش شکل تھا۔ سب سے بڑھ کر وہ بڑے ابا کے دوست کا بوتا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں رحمہ کو دعائیں دیں جس نے آبدار کا نام بڑے ابا کے سامنے لیا تھا ورنہ وہ تو اپنی طرف سے دوست سے شرمندہ تھے۔ اتنے چاہت کرنے والے اچھے لوگ آبدار کے نصیب میں لکھے تھے۔ یاور دیکھنے میں ابو بکر سے زیادہ جاذب نظر تھا اور حیثیت میں بھی کم نہیں تھا۔ وہ یاور کی والدہ حاجرہ خانم سے بھی ملیں۔ جو بہت بے ضرر اور محبت کرنے والی خاتون لگیں۔ ان کی بہن ابھی تک بیٹھی تھیں اور خاطر مدارت میں پیش پیش تھیں۔ انہیں حرا اور تابش کو دیکھ کر دکھ اور افسوس ہوا تھا۔ بے اختیار انہیں آبدار کی محرومی کا

خیال آیا تھا وہ بھی تو باپ کی محبت شفقت جیسی دولت سے محروم تھی۔

✿ ✿ ✿

"بھابھی! آپ نے گھر دیکھا۔ کتنا خوب صورت ہے۔ کتنا اچھا رویہ تھا سب کا اور سب سے بڑھ کر لڑکا بہت اچھا ہے۔ آبدار کے ساتھ خوب جچے گا۔" عائلہ اور صوفیہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔

رحمہ کے دل میں بار بار یہ سوچ آ رہی تھی۔ عزہ بہت ہوشیار تھی۔ یاور کو مٹھی میں کر لیتی۔ وارے نیارے ہو جاتے۔ مگر وا رے قسمت۔ اپنی قسمت میں آیا رشتہ انہوں نے کنزہ کی جھولی میں انجانے میں ڈال دیا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ انہوں نے ایک بار بھی ان سے اسامہ کے رشتے کا نہیں کہا تھا۔ وہ تو خود ہی اندھی گلی دیکھ کر رنجیدہ تھیں۔ ان کا شدت سے دل چاہا کہ عزہ ماموں کی بہو بنے۔ بڑے ابا نے جب یاور کے رشتے کا بتایا تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی اچھی فیملی سے تعلق رکھتا ہوگا۔ بھلا آبدار کہاں قابل تھی یاور کے اس کے ساتھ تو عزہ ہی جچتی۔ وہ اپنی بے وقوفی پہ ہاتھ مل رہی تھیں۔

"واقعی بڑے ابا نے چن کر رشتہ ڈھونڈا ہے آبدار کے لیے۔ بری میں اسے ویسے ہی پہلے بچے ملیں گے۔" انہوں نے اندرونی کرب پہ قابو پا کر بظاہر مسکراتے ہوئے ان دونوں کو منہ توڑ جواب دینے کی کوشش کی۔ پر ان کی حالت اس وقت کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی ہو رہی تھیں۔

دل ہی دل میں وہ لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ لیکن آبدار کے رشتے پہ خوش وہ بھی نہیں تھیں۔ ان کی غلط فہمی کا خاتمہ بہت جلدی ہو گیا تھا۔ یاور ابو بکر سے کئی گنا بہتر تھا اور چوہدری فاروق بڑے چاؤ سے آبدار کو اپنا رہے تھے۔

"اگر اس شخص کے کرتوت ان کے سامنے آ جائیں تو منہ پہ تھوکنے بھی نہ آئیں چوہدری فاروق۔ بلکہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھیں۔" صوفیہ کے ذہن میں یہ شیطانی خیال آیا تھا۔

✿ ✿ ✿

بڑے ابا نے فیصلہ کیا کہ منگنی کے بجائے نکاح کر لیا جائے اور پھر دو ماہ بعد شادی کر دی جائے۔

ساتھ ہی ان کا ارادہ تھا کہ عزہ کی بھی منگنی کر دی جائے۔ جب یہی بات انہوں نے جلال احمد کے سامنے رکھی تو وہ گھبرا گئے۔ اب یقیناً ان کے جھوٹ کا پول کھلنے والا تھا۔ اس سے پہلے کہ مزید بے عزتی ہوتی انہوں نے بڑے ابا سے سچ بولنا مناسب سمجھا۔

بڑے ابا کتنی دیر شاک کے عالم میں بیٹھے رہے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ رحمہ ان کی بہو نے ان سے جھوٹ بولا ہے۔

"میرے لیے یہ افسوس کا مقام ہے کہ میری اولاد کو میرے فیصلوں پہ اعتبار نہیں رہا ہے۔ کیا میں عزہ کے

لیے کسی ایسے ویسے لڑکے کو پسند کر سکتا تھا۔ تم نے خود دیکھا ہے یاور کو۔ بلکہ اب تو سب نے دیکھ لیا ہے۔" مارے دکھ کے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اصل میں ابا جان اس کے ذہن میں گاؤں کا کچھ تصور اور تھا جس کی وجہ سے یہ سب ہوا۔ اب تو وہ پچھتا رہی ہے بہت بری طرح۔"

جلال نے چپ رہنے کی گویا قسم کھائی تھی۔

"پچھتا تو میں بھی رہا ہوں۔ خیر چھوڑو چوہدری فاروق کو منگنی کے لیے آنا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ منگنی کے بجائے براہ راست نکاح کر دیا جائے اور وہ اہ بعد رخصتی کر دی جائے۔"

"ابا جان جیسے آپ کی مرضی۔"

"تم یاسر اور ناشر کو میرے پاس بھیجو۔ میں ان سے انتظامات کا کہہ دوں۔" وہ بہت عجلت میں نظر آ رہے تھے۔

اس اچانک نکاح کے پروگرام پہ جلال سمیت وہ دونوں بھائی بھی حیران تھے۔

نکاح میں صرف قریبی رشتہ داری مدعو تھے بعد کی شام بڑے ابا کی طبیعت اچانک بگڑی تھی۔ ان کے سینے میں شدید درد اٹھا تھا۔ جب بھی ان کی طبیعت خراب ہوتی کرنل شہواری ان کا علاج کرتے تھے۔ رات کے ان چند گھنٹوں میں آبدار پہ قیامت گزر گئی تھی۔ بڑے ابا کا وجود تھی چھاؤں کی مانند تھا۔ ان سے جدائی کا تصور بھی محال تھا۔ ڈاکٹر نے لمبے سفر سے منع کیا تھا لیکن وہ فاروق کی طرف تین بار گئے تھے۔ انہیں ٹینشن اور پریشانی سے دور رکھنا ضروری تھا مگر گھر میں ہونے والی جوڑ توڑ ایک دوسرے سے حسد انہیں اپ سیٹ ہی رکھتا۔

گھر آنے کے بعد ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وقت کو پر لگا دیتے۔ انہیں اب ادراک ہوا تھا کہ آبدار کی منگنی کی جگہ اس کے نکاح کا خیال ان کے دل میں کیوں آیا تھا اور جلال سے بات کرنے کے بعد تو یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔ اور آج لگ رہا تھا انہوں نے جو کام کیا وہ ٹھیک ہے۔

☆ ☆ ☆

یاور کے خاندان میں نکاح کے وقت لڑکی کا سنگھار نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ صرف کامدار چادر اوڑھائی جاتی تھی وہ چادر ساتھ لے کر آ رہے تھے مگر سعید الدین آبدار کو بھی سجائی دلہن کے روپ میں دیکھنے پہ بضد تھے۔

مولوی صاحب کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے خاموشی سے نکاح نامے پہ سائن کروا لے۔

مرد مولوی صاحب کے ساتھ اٹھ کر باہر جا چکے تھے۔ اب صرف یہاں عورتیں اور بڑے ابا ہی تھے۔ یاور کی خالہ نے اس کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ سب عورتیں باری باری مبارک باد دے رہی تھیں۔ بڑے ابا خاموشی سے ڈرائنگ روم کی طرف گئے تھے جہاں سب مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے فاروق کے کان میں کچھ کہا تھا۔

دس منٹ کے بعد یاور فاروق اور سعید الدین کے ساتھ اس طرف آیا جہاں آبدار رشتہ دار عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ سعید الدین نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر آبدار کے برابر لا بٹھایا۔ ان دونوں کو اکٹھے دیکھنے کی آرزو پوری ہوئی تھی۔

ٹو پیس میں ملبوس جاذب نظر سا یاور سب ہی عورتوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا یاور کی خالہ نے آبدار کے چہرے سے دوپٹہ سرکا کر اسے دلہن دیکھنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ سرخ آنکھوں والی آبدار ہونٹ دبائے ہوئے بمشکل اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"فاروق! میری پوتی اب تمہاری امانت ہے۔ میں نے بہت لاڈ سے پالا ہے اور یاور مجھے پوری امید ہے تم اس کا بہت خیال رکھو گے۔" بڑے ابا باری باری دونوں سے مخاطب ہوئے اس وقت ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"ارے کیسی بات کرتے ہو، تمہیں ہماری طرف

سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" فاروق نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ تو انہیں کچھ تسلی ہوئی۔

آبدار سے ملنے کے بعد فاروق اور دیگر مہمان واپسی کی تیاری میں تھے۔ سعید الدین ان کے جانے کے بعد بھی کافی دیر گیٹ پہ ہی کھڑے رہے۔

رات انہوں نے چمڑے کا ایک بیگ کنزہ کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔ وہ کافی دیر آبدار کے پاس بیٹھے رہے۔ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے۔ کنزہ نے دو بار کھانے کا کہا مگر انہوں نے بھوک نہ ہونے کا عذر کیا۔

اپنے کمرے میں آنے سے پہلے انہوں نے آبدار کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما۔

"میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔ میں نے تمہارے اچھے نصیب کی اپنے رب سے بہت التجائیں کی ہیں۔ اپنے گھر میں آباد اور سکھی رہو۔"

اسے دعا دے کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھی اور بہت دیر سجدے میں جا کر دعائیں مانگتے رہے۔ جب وہ جائے نماز لپیٹ کر اٹھے تو ان کا چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ لیکن ان کا دل بہت مطمئن تھا۔ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اپنے بستر پہ لیٹ کر انہوں نے درود شریف کی تسبیح پڑھنی شروع کی اور پھر پڑھتے پڑھتے ہی سو گئے۔ تسبیح ان کے ہاتھ سے پھسل کر تکیے کے پاس گر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آبدار کے سر کے درد میں کوئی کمی نہیں ہو رہی تھی۔ رات اس نے سوتے جاگتے گزاری تھی۔ صبح کنزہ نے ناشتے کے ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ دینی چاہی تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس نے صرف چائے پی تھی۔ آدھا سلائس دانتوں سے کتر کر چھوڑ دیا تھا۔ کنزہ نے برتن بھی نہیں اٹھائے تھے کہ وہ سیدھی بڑے ابا کی طرف آ گئی۔ ادھر سناٹا طاری تھا۔ برآمدے میں پڑی کرسی ویران تھی۔ ورنہ اس وقت وہ یہیں پائے جاتے تھے۔ آبدار نے پورے گھر میں طائرانہ نظر دوڑائی۔ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑے ابا کے بیڈ روم کی طرف آ گئی۔ دروازے پہ ہاتھ مارا تو کھلتا چلا گیا۔ زیرو پاور کی لائٹ جل رہی تھی۔

"بڑے ابا آپ ابھی تک سو رہے ہیں۔" اس نے آوازیں دیں اور پھر قریب چلی آئی۔ وہ پرسکون انداز میں آنکھیں موندے سو رہے تھے پھر تو وہ گھبرا کر آوازیں دینے اور جھنجوڑنے لگی۔ اس کی ہذیانی چیخوں سے گھبرا کر سب ادھر جمع ہو گئے تھے۔ طلحہ گاڑی میں فوراً پاس والے ڈاکٹر شعیب کو لے آیا۔ اس نے موت کی تصدیق کر دی۔

چوہدری فاروق کے آنے کے بعد سعید الدین کی تدفین ہوئی۔ قبر پہ مٹی ڈالی جا چکی تھی۔

فاروق کو تو ان کی سب باتیں ایک ایک کر کے یاد آ رہی تھیں۔ اپنی پوتی آبدار کے معاملے میں وہ بہت حساس اور پریشان تھے۔ ان سے کھل کر کہہ دیا تھا کہ نکاح کے بعد رخصتی میں زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔ فاروق نے کہا تھا۔

"تمہاری طرف سے دیر نہیں ہوگی ہم جب کہو گے ہم بارات لے آئیں گے۔" وہ ایک ماں کی طرح متفکر نظر آ رہے تھے ابھی کل ہی کی تو بات تھی۔

☆ ☆ ☆

قل پہ فاروق احمد نہیں آ سکے تھے۔ ان کی طبیعت خراب تھی۔ دور کا سفر اس حال میں ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ یاور کو اکیلے ان کے بغیر آنا پڑا۔ کنزہ آنٹی ان عورتوں میں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ ان سے بھی تعزیت کرنا چاہتا تھا۔ رحمہ سن کر بدمزہ ہو گئیں۔ کنزہ سیپارہ پڑھ رہی تھیں۔ رحمہ خود کنزہ کے پاس چھوڑ کر گئیں۔ ان کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔ کنزہ نے آبدار کو سیپارہ لے جانے کے لیے آواز دی۔ اس نے بھی سفید دوپٹہ ماتھے تک اوڑھا ہوا تھا اور کنزہ کی طرح اس کی آنکھیں بھی شدت گریہ سے

سوچی ہوئی تھیں۔ مما کے پاس اجنبی صورت پراجمان تھی۔ وہ تیزی سے سیپارہ لے کر نکل گئی۔ کنزہ نے جب سامنے کر تو اندازی تھی تو فطری طور پہ وہ متوجہ ہوا تھا۔ پر ادھر تو اسے اجنبی سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی' وہ متذبذب سا ہو گیا۔

کنزہ کو غصہ آ گیا۔ آبدار نے سلام تک نہیں کیا تھا۔ وقت موقع ایسا تھا کہ یاور کے سامنے وہ اسے کچھ کہہ نہیں سکی تھیں۔ لیکن اس کے جانے کے بعد کنزہ نے اس کی خوب کلاس لی۔

آبدار کو ہرگز نہیں پتا تھا کہ مما کے پاس جو اجنبی بیٹھا تھا وہ یاور تھا۔ اس نے تو غور ہی نہیں کیا تھا شکل وصورت پہ۔

"آبدار! کیوں میری مشکلات بڑھانے پہ تلی ہو۔ کیوں کرتی ہو ایسا۔ یاور کیا سوچتا ہوگا۔"

"مما! مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ کون ہے' ورنہ میں ضرور حال احوال پوچھتی۔" کنزہ سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ ابھی نکاح کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا۔ آبدار کی بے وقوفیاں جانے کیا رنگ دکھانے والی تھیں۔ وہ تو ہر وقت ہولتی ہی رہتی تھیں۔ پہلے بڑے ابا کی موجودگی سے ان کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ سہارا بھی نہیں رہا تھا۔ خوب پھونک پھونک کر قدم آگے کرنا تھا۔

سعید الدین کی وفات کو دو ہفتے سے زائد ہو چکے تھے۔ زندگی معمول پہ آ رہی تھی۔

ایمن پھوپھو ایک ہفتے کے لیے اکیلی پاکستان آئی تھیں۔ کوشش کے باوجود وہ ابا جان کا آخری دیدار نہیں کر پائی تھیں۔ ان کے آنے کے بعد گھر کا ماحول تازہ ہو گیا تھا۔ ایسا کیوں تھا' آبدار کو اس کا اندازہ نہیں تھا۔

لیکن تایا جان' تائی جان کے ساتھ غیر متوقع طور پہ ان کے پورشن میں چلے آئے۔ کنزہ کو یقین نہیں آیا تھا کیونکہ اس واقعے کے بعد ادھر سے کسی فرد تک نے ادھر آنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ ان کا انداز راز دارانہ تھا۔ تائی نے آبدار کو گلے لگا کر بڑی محبت سے ہاتھ چوما۔ وہ حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ آج کیسے کایا پلٹ گئی تھی۔ انہوں نے تو جینا مرنا ختم کا اعلان کر دیا تھا۔

تایا جان کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ درمیان میں انہوں نے سرسری سا سوال کر دیا۔

"بھابھی! ابا جان نے آپ کو کوئی کاغذ وغیرہ تو نہیں دیا تھا مرنے سے پہلے۔"

"نہیں بھائی جان! ایسا تو انہوں نے کچھ نہیں دیا' لیکن کچھ روز پہلے انہوں نے مجھے چمڑے کا بیگ دیا تھا۔ میں نے کھول کر نہیں دیکھا' دراز میں ہے' لاتی ہوں۔" کنزہ بیگ لانے چلی گئیں۔

عائلہ نے معنی خیز نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھا۔ آبدار پاس نہیں تھی' سو انہیں کوئی خوف نہیں تھا۔ کنزہ بیگ لے آئیں۔

عاشر احمد نے بے تابی سے ان کے ہاتھ سے لیا۔ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ وہ چھپا نہیں پائے تھے۔ انہوں نے بیگ کی زپ کھولی۔ اندر کچھ کاغذات تھے۔ کنزہ کو تو خاص سمجھ نہیں تھی۔ کیونکہ وہ انگریزی زبان میں تھے۔ عاشر احمد نے ایک ایک کر کے دیکھنا شروع کیا۔ ان کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔

"کنزہ بھابھی! یہ میری نئی گاڑی کے کاغذات ہیں۔ اس روز جب میں گاڑی لے کر ابا جان کے ساتھ آیا تھا تو گاڑی میں ہی پڑے رہ گئے تھے۔ ابا جان نے غلطی سے مجھے دینے کے بجائے آپ کو دے دیے۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان! لے جائیں' آپ کی چیز ہے۔ میں نے کیا کرنا ہے۔" سادہ دل کنزہ نے اپنی عقل کے مطابق جواب دیا۔

واقعی عاشر احمد نے کچھ روز پہلے نئی گاڑی لی تھی اور ابا جان بھی ساتھ تھے۔ کنزہ کے دل میں کسی بھی قسم کا شک خیال نہیں آیا تھا۔ وہ تو بہت خوش تھیں کہ جیٹھ اور جیٹھانی ان کے گھر آئے ہیں اور پہلے کی طرح ہنس بول رہے ہیں۔

عاشر احمد بیوی کے ساتھ چلے گئے۔ کاغذات دیکھنے کے بعد زیادہ دیر بیٹھے نہیں تھے۔

☆ ☆ ☆

دن پر لگا کر اڑ رہے تھے۔

سعید الدین کے چالیسویں پہ چودھری فاروق' یاور کے ساتھ آئے۔ درمیان میں دوبار یاور اکیلا آیا تھا' کیونکہ ان کی طبیعت کافی خراب رہی تھی۔ چالیسویں کی دعا وغیرہ ہو چکی تھی۔ وہ کنزہ کی طرف چلے آئے۔ انہوں نے فوراً" ڈرائنگ روم کھلوایا۔ آبدار عورتوں کی طرف تھی۔ آمنہ کو بھیج کر اسے بلوایا۔ ڈرائنگ روم میں وہ جونہی داخل ہوئی کنزہ نے نگاہوں کی زبان میں کچھ کہا۔ پتا نہیں وہ سمجھی کہ نہیں' لیکن پاس آ کر بڑے ادب سے سلام کیا اور فاروق چودھری کی خیریت دریافت کی۔ پاس ہی یاور بیٹھا تھا۔

آبدار نے پہلی بار اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے فوراً" نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ بہرحال آج اس نے یاور چودھری کو دیکھ لیا تھا۔ کہیں گہرے کھدر کے شلوار سوٹ میں ملبوس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھا پہلی نگاہ میں آبدار کو وہ کافی مغرور لگا تھا۔

کنزہ آبدار کی ہچکچاہٹ کو اچھی طرح محسوس کر رہی تھیں۔ چائے لانے کے بہانے باورچی خانے میں آ گئیں۔

فاروق' آبدار کو پاس بٹھائے باتیں کرنے لگے۔ کالج کی پڑھائی سے ہوتے ہوئے گفتگو کا رخ بڑے ابا کی ذات کی طرف مڑ گیا۔ پھر آبدار کو اپنے آنسوؤں پہ کوئی اختیار نہیں رہا۔ وہ سسک سسک کر رونے لگی۔ فاروق کو تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے چپ کرائیں۔

"دیکھو بیٹا! میں بھی تمہارے بابا کی طرح ہوں۔ تم بھی یاور کے ناتے سے مجھے عزیز ہو۔ میں یہ دعوا تو نہیں کرتا کہ سعید الدین جیسا پیار تمہیں دے سکوں گا' لیکن تم مجھے محبت کرنے میں خیال رکھنے میں اپنے بڑے ابا سے کم نہیں پاؤ گی۔ جب ہمارے گھر آؤ گی تو تمہیں خود اس بات کا احساس ہوگا۔" انہوں نے خود سے وابستہ نئے رشتے کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی۔

یاور گاہے بگاہے نظر موڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ آبدار نے بڑے سلیقے سے دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ یاور کو اس کی پوری شخصیت میں اس کا دوپٹہ اوڑھنے کا اسٹائل اچھا لگا۔ کان تک نظر نہیں آ رہے تھے۔ اور بال بھی سمٹے ہوئے تھے۔ یاور کو یہ خبر نہیں تھی کہ خود کو اس طریقے سے سنبھال کر رکھنے کے طریقے سے اسے کس نے آشنا کیا ہے اور اس کے پیچھے کتنی تاریک کہانیاں ہیں۔

☆ ☆ ☆

دن بہت گھٹے گھٹے اور رک رک کر گزر رہے تھے۔ کوئی سرگرمی اور کوئی خوشی نہیں تھی۔ آبدار اکثر غیر ارادی طور پہ بڑے ابا کے کمرے میں چلی جاتی' جب احساس ہوتا تو اپنی غائب دماغی پہ ہنس پڑتی' بڑے ابا کے کمرے میں ان کی خوشبو رچی بسی تھی۔

آج بھی دوپہر میں اس کا دل گھبرایا تو وہ بڑے ابا کی اسٹڈی کی طرف چلی آئی۔ دن کا بیشتر حصہ وہ کتابیں پڑھنے میں صرف کرتے تھے۔ اسٹڈی روم کا دروازہ نیم وا تھا اور لائٹ جلتی نظر آ رہی تھی۔ وہ دیکھنے کے لیے آگے ہوئی۔ نیم وا دروازہ ہاتھ سے دھکیلا۔ باسط جو درازوں میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ عجلت میں پیچھے مڑا۔ آبدار سامنے تھی۔ اطمینان بھری سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ آبدار کے چہرے پہ تنفر ابھر آیا۔ وہ الٹے قدموں واپس مڑی۔

"بہت خوب یاور چودھری سے نکاح کے بعد چار چھ ماہ میں بہت خوب صورت ہو گئی ہو۔" باسط کی نظریں اس پہ پھر بھی تھیں' اسے اپنے جسم پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں۔ اور کھلے دروازے سے تیزی سے باہر نکلی۔ ہینڈل سے دوپٹہ الجھا۔ اس نے تیزی سے کھینچا اور باہر آ گئی۔ سامنے برآمدے میں رحمہ چچی عزہ کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ اس کے پیچھے پیچھے ہی باسط نکلا۔

آبدار تو اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی اور باسط ان دونوں کو دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ اسے خوف محسوس ہوا' کہیں وہ عمارہ کو کوئی چھ لگا کر نہ بتائیں۔

"میں ایک کتاب ڈھونڈ رہا تھا' سوچا بڑے ابا کے اسٹڈی روم میں جا کر دیکھ لوں' مگر اوپر سے یہ آ گئیں۔ سکون سے کتاب بھی نہیں ڈھونڈی گئی' میں باہر آ گیا ہوں کہ پھر کبھی دیکھ لوں گا۔" باسط نے بڑی تیزی سے خود کو کمپوز کیا۔ رحمہ دل ہی دل میں کچھ حساب کتاب کر رہی تھیں۔ باسط کے دل میں چور تھا' وہ کافی دیر ادھر بیٹھا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے' تب وہاں سے ہٹا۔

ادھر باسط کے جانے کے بعد رحمہ نے اپنی کرسی گھسیٹ کر عزہ کے قریب کر لی تھی۔

"تم نے دیکھا پہلے آبدار اور پھر باسط اس کے پیچھے باہر آیا۔ اور گھبرایا ہوا بھی کتنا تھا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔"

"ہاں ممی! مجھے بھی لگ رہا تھا' باسط بھائی ہمیں دیکھ کر پریشان سے ہو گئے ہیں اور آبدار ادھر تو ادھر دیکھے بغیر سیدھی اپنے پورشن میں گھس گئی۔ لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔"

"دھول جھونک رہی ہے سب کی نگاہوں میں۔ تمہارے بڑے ابا اس کی بڑی سائیڈ لیتے تھے۔ جاتے جاتے نکاح بھی کروا گئے۔ بڑا رو رہے تھے نکاح کے دن گلے لگا کر لاڈلی پوتی کو اور پوتی نے تو کفن میلا ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا اور اپنی حرکتوں پر اتر آئی۔ دیکھ لینا کوئی چاند چڑھا کر رہے گی' پھر پتا چلے گا سب کو۔"

رحمہ کو لفظ لفظ سے آبدار کے لیے نفرت ٹپک رہی تھی۔ عزہ مسلسل سر ہلا رہی تھی۔ آبدار سے تو ویسے بھی شروع سے ہی اس کی نہیں بنتی تھی۔ مما نے اس کی بڑی گھناؤنی تصویر کشی کی تھی۔ مما نے یہ سب کہا تھا' کوئی غلط تو نہیں تھا نا کچھ بھی۔ مما کی ہر بات اس کے لیے حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔

✿ ✿ ✿

سعید الدین کی موت کو چار' پانچ ماہ گزر گئے تھے۔ اس دوران آبدار کی طرف سے کوئی بھی فاروق چوہدری کی طرف نہیں گیا۔ وہ پریشان سے تھے کہ ادھر سے کسی نے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ آخر ان سے رہا نہیں گیا تو ڈرائیور کو لے کر گھر ان کی طرف چلے آئے۔ ان کے دل میں بہت سے خدشات بیک وقت جمع ہو گئے تھے۔ کنزہ بڑی محبت اور احترام سے ملیں۔ ان کے رویے میں کسی تبدیلی کے آثار نہیں تھے۔ یہ سعید الدین کے بڑے دونوں بیٹوں کا رویہ بہت رسمی اور فارمل سا تھا۔

"عاشر بیٹا! سعید الدین کو ہم واپس تو نہیں لا سکتے۔ تمہارا غم بھی یقیناً ابھی تازہ ہو گا لیکن سعید الدین کی خواہش تھی کہ آبدار کی رخصتی جلدی کر دی جائے۔ میں اسی لیے آیا ہوں کہ فائنل کر کے مجھے بتاؤ' تاکہ میں بھی تیاری کروں۔" انہوں نے عاشر احمد سے بات کرنے کا آغاز کیا۔

"انکل! ابھی ابا جان کو مرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ ہم اس طرح کی خوشیاں منانا شروع کر دیں۔ اور پھر آبدار کی کون سا اتنی عمر ہو گئی ہے یا وہ بوڑھی ہو گئی ہے جو اتنی جلدی کر دیں رخصتی۔ آپ حوصلہ رکھیں' کچھ ٹائم گزرنے دیں' ہمیں دو' تین ماہ دیں' جب تک تیاری بھی ہو جائے گی اور ہمارے دلوں کو بھی ابا جان کی طرف سے کچھ سکون آ جائے گا۔"

یاسر احمد نے معقول انداز میں بات کی تھی۔ فاروق چوہدری نے بحث کرنی مناسب نہیں سمجھی اور مان گئے۔ دو' تین ماہ گزرنے میں کتنا ٹائم لگتا تھا۔ جہاں اتنا انتظار کیا وہاں کچھ انتظار اور سہی۔

وہ کنزہ اور آبدار سے مل کر واپس آ گئے۔

✿ ✿ ✿

سعید الدین کی وراثت اور جائیداد وغیرہ کی تقسیم ہو رہی تھی۔ ابھی تک بھی تفصیلات پہنچ گئی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ حسان احمد کے حصے کی تمام جائیداد تو آبدار یا کنزہ کسی کے نام بھی نہیں تھی۔ بلکہ کنزہ جس گھر میں رہ رہی تھیں' صرف وہی پورشن ان

کے نام تھا۔ بزنس میں عاشر احمد' یاسر احمد اور جلال احمد ہی حصہ دار اور وارث بنے تھے۔ حالانکہ حسان احمد بھی حصہ دار تھے' لیکن پتا نہیں وہ سب کہاں گیا تھا۔

کنزہ بری طرح پریشان تھیں' کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے بینک فون کر کے اپنے اکاؤنٹ کی تفصیل معلوم کی تو اور بھی پریشان ہو گئیں۔ وہاں صرف تین' چار لاکھ تھے۔ باقی کچھ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے آبدار کی شادی کرنی تھی اور سعید الدین کے بڑے ارمان تھے کہ آبدار کو شان دار جہیز دے کر رخصت کیا جائے۔

ان کی ٹینشن بڑھتی جا رہی تھی۔ آبدار دیکھ رہی تھی کہ کنزہ بہت اپ سیٹ رہنے لگی ہیں۔ وہ رات کو اپنے کمرے میں بیٹھی پیپرز کی تیاری میں مصروف تھی کہ ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ رات کے سناٹے میں یہ آوازیں بڑی واضح تھیں۔ اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ ان آوازوں کا مرکز مما کا کمرہ تھا۔ اس نے کتاب بند کر دی۔ آبدار نے آہستگی سے مما کے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ جلا دی۔ آوازیں ایک دم دم توڑ گئیں۔ اسے یوں لگا جیسے کانوں نے دھوکہ کھایا ہو۔ کنزہ کا منہ دیوار کی طرف تھا۔ بظاہر وہ محو خواب ہی لگ رہی تھیں۔ پھر بھی آبدار نے قریب جا کر ان کا جائزہ لیا۔ کنزہ نے ایک دم آنکھیں کھول دیں جو آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"مما! کیا ہوا ہے' آپ کیوں رو رہی ہیں؟" وہ ان کے قریب بیڈ پہ ہی بیٹھ گئی۔ کنزہ کے رونے میں شدت آ گئی۔ آبدار ہولے ہولے انہیں تھپکنے لگی۔ خوب رو چکنے کے بعد کنزہ خاموش ہو گئیں اور پھر اسے اپنی پریشانی بتا دی۔ سن کر آبدار بھی متفکر ہو گئی۔

"مما! بڑے ابا جان کہتے تھے کہ پاپا کا تمام جائیداد میں حصہ ہے۔ پھر وہ سب کہاں گیا' جب ہمیں بھی نہیں ملا تو...؟"

"میں بھی تو یہ ہی سوچ کر پریشان ہوں کہ وہ سب کہاں گیا۔" کنزہ نے بے بسی سے شانے اچکائے۔

"مما! بڑے ابا نے آپ کو ایک بیگ دیا تھا کہ سنبھال کر رکھ لو' وہ کہاں ہے؟" اسے بروقت یاد آیا تھا۔

"وہ تو میں عاشر بھائی کو دے چکی ہوں۔ ان کی گاڑی کے کوئی کاغذات تھے اس میں۔"

"مما! آپ کو کیسے کنفرم ہوا کہ اس میں تایا جان کی گاڑی کے کاغذات تھے۔ اگر وہ ان کے تھے تو بڑے ابا نے ہمیں کیوں دیے۔" آبدار کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"بیٹا! عاشر بھائی خود پوچھنے آئے تھے۔ میں نے بیگ دے دیا تو بولے کہ میری گاڑی کے کاغذات ہیں' غلطی سے بڑے ابا نے آپ کو دے دیے ہیں۔" انہوں نے سادگی سے بتایا تو آبدار سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"میں صبح تایا جان سے پوچھوں گی۔" وہ بہت اپ سیٹ ہو گئی تھی۔

"ارے نہیں' عاشر بھائی سے مت پوچھنا' یہ غلطی نہ کرنا' انہیں غصہ آئے گا' اتنی مشکل سے تو عائلہ بھابھی کا موڈ اچھا ہوا ہے۔ میں سب کچھ اپنی کسی چھوٹی سی غلطی کی وجہ سے بھی خراب نہیں کر سکتی۔" آبدار' سادہ لوح ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

بہت زیادہ ہوشیاری تو اس میں بھی نہیں تھی' لیکن تھوڑی بہت تعلیم نے اسے کسی حد تک زمانہ شناس ضرور بنا دیا تھا۔ اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔

✿ ✿ ✿

رات کو عاشر احمد کھانا سب گھر والوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ اس معمول کا آبدار کو اچھی طرح علم تھا۔ سو وہ بڑی خاموشی سے مما کو بتائے بغیر ادھر پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر سب نے کھانا موقوف کر دیا۔ عمارہ کے چہرے پہ اسے دیکھ کر غصہ طاری ہو گیا۔ باسط فوراً کھسک گیا۔ "آؤ آؤ کھانا کھاؤ۔"

عائلہ نے تقریباً" زبردستی ہی تو آداب میزبانی نبھائے تھے۔ اس کے دل میں وسوسے پیدا ہو گئے تھے۔ وہ خود سے یہاں کیوں آ گئی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔

"میں کھانا کھانے نہیں آئی تائی جان، بلکہ تایا جان سے چند باتیں پوچھنی ہیں۔"

اس نے یہاں قدم تو رکھ دیا تھا، پر اب ڈر بھی رہی تھی کہ بات کیسے کرے۔ پہلے مرحلے پہ تو بہادری دکھا دی تھی، اب قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس کا انداز بڑا پراسرار تھا۔

"ہاں بیٹا! پوچھو کیا بات ہے؟" عاشر احمد کی بھوک ایک دم سے مر گئی تھی۔

"تایا جان! جائیداد میں سے میرے پپا کا حصہ کہاں ہے؟" اس نے جیسے ان کے حواسوں پہ بم گرایا تھا۔

"تمہارے پپا کا حصہ بھابھی کے نام ہے۔" عاشر احمد کے ہاتھوں کے طوطے ایک ثانیے کے لیے اڑ ہی گئے تھے۔

"میرے پپا کا حصہ صرف ایک مکان ہے تایا جان؟" وہ پرانی والی سرکش، نڈر کسی سے نہ دبنے والی آبدار لگ رہی تھی۔

"تمہیں کسی نے بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی آبدار؟ تمہاری یہ جرأت کہ آکر سوال کرو۔" عائلہ کو آگ لگ گئی تھی۔

"ارے بلاؤ کوئی کنزہ کو جا کر، اس کو آکر دیکھے۔" وہاں تو واویلا شروع ہو گیا۔ اس صورت حال کا اس نے تصور نہیں کیا تھا۔ اتنے میں کنزہ بھی آگئیں۔ آبدار کو یہاں دیکھ کر ان کی ٹانگیں کانپنا شروع ہو گئیں۔ انہوں نے سمجھا کہ آبدار سے پھر کوئی غلطی ہو گئی ہے۔

"یہ ہی تربیت کی ہے تم نے اس کی۔" عاشر احمد بڑی حقارت سے اس کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"کیا ہوا ہے بھائی جان! آبدار سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔" سدا کی کمزور اور بزدل کنزہ کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"کنزہ بی بی! اسے سمجھاؤ۔ مجھ سے سوال جواب کرنے چلی ہے۔" "تایا جان! میں نے کب بدتمیزی کی؟ صرف اتنا ہی تو کہا کہ ہمارا حصہ اتنا ہی ہے۔ صرف ایک مکان، میں بھی پپا کی اولاد ہوں، میرا حصہ کہاں گیا؟"

"تمہارا حصہ بھی وہی مکان ہے۔ کنزہ کے بعد تمہارا ہو جائے گا۔" عائلہ نے سنگ دلی کی انتہا کر دی تھی۔

"چلو آبدار! آؤ۔" کنزہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اسے یہاں سے لے جانا چاہا، اس نے بازو چھڑا لیا۔

"تایا جان! چمڑے کے اس بیگ میں کیا تھا جو بڑے ابا نے مما کو دیا تھا۔" عاشر احمد کے چہرے پہ ایک رنگ سا آگیا۔

"بیگم! جاؤ وہ بیگ لا کر اسے دکھاؤ۔" وہ پوری قوت سے دھاڑے۔ کنزہ بری طرح ڈر گئیں۔ ڈر تو آبدار بھی گئی تھی۔ عاشر احمد اور عائلہ تائی کے زور زور سے بولنے پہ ساتھ والے پورشن سے صوفیہ، رحمہ اور یاسر بھی نکل آئے۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"ہو گیا اسے ایمان داری کا صلہ مل رہا ہے۔" عاشر احمد اس کی طرف اشارہ کر کے بولے۔ کنزہ کونے میں پریشان سی کھڑی تھیں۔ عائلہ نے چمڑے کا وہ بیگ لا کر آبدار کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"خود دیکھ کر اپنا اطمینان اچھی طرح کر لو۔" عائلہ نے بیگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

اندر واقعی گاڑی کے کاغذات اور اسی نوعیت کے کچھ اور کاغذ تھے۔ آبدار کی ساری طاقت ہوا ہو گئی۔

"آج سے میں تمہارا تایا نہیں ہوں۔ مجھے اس رشتے سے نہ پکارنا۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو کنزہ تڑپ گئیں۔

"بھائی جان! آپ کے سوا ہمارا کون ہے، یہ نادان ہے، کم عقل ہے، آپ بڑے ہیں، نادم ہوں اس کا قصور ہے، لیکن آج معاف کر دیں، آئندہ یہ ایسے نہیں کرے گی، اسے غلط فہمی ہو گئی تھی۔" کنزہ روتے ہوئے اس کی صفائیاں دے رہی تھیں۔ آبدار لٹے قدموں وہاں سے نکلی۔ مما کو ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتے دیکھنا اس کے بس سے باہر تھا۔

عاشر احمد کے ساتھ باقی سب بھی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے، انہیں تو موقع چاہیے تھا۔

"کنزہ! آبدار پہ نظر رکھو، نہیں تو کوئی بڑا نقصان اٹھاؤ گی۔ نکاح کے بعد تم بالکل ہی غافل نہ ہو جاؤ۔" رحمہ نے بڑے معنی خیز انداز میں عائلہ اور عمارہ کی طرف باری باری دیکھ کر کنزہ سے کہا۔ کنزہ سب کے سامنے یہ وار بھی بڑے حوصلے سے سہہ گئیں۔ عاشر بھائی نے آج دھمکی بھی دے دی تھی۔ اس عمر میں وہ گھر سے بے گھر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔

لے دے کر ان کے پاس آبدار ہی تھی۔ سو ان کا سارا غصہ آبدار پہ اترا۔ انہیں احساس تھا کہ وہ غلط کر رہی ہیں، پر اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

چودھری فاروق پھر عاشر احمد کے پاس آئے تھے۔ اس بار ان کا رویہ کچھ اور تھا۔

"آبدار کے ایگزامز ہو رہے ہیں۔ بعد میں اس بارے میں سوچا جائے گا۔"

انہوں نے سرسری سے بات کی تھی۔ فاروق، سعید الدین کے سب سے گہرے دوست تھے۔ ایک لحاظ سے وہ بھی عاشر احمد کے لیے باپ جیسے ہی تھے، مگر ان کا رویہ سراسر ٹالنے والا تھا۔

فاروق کچھ کھائے پیے بغیر واپس آئے تھے۔ انہیں بہت جلد اس مسئلے کا حل سوچنا تھا۔ گویا سعید الدین کے خدشات بالکل درست تھے۔ انہوں نے جو کہا تھا ٹھیک کہا تھا۔ ان کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

یاور دو دن کے لیے لاہور گیا ہوا تھا، اچھا تھا وہ یہاں نہیں تھا، ورنہ اس کے ساتھ اپنی پریشانی لازمی شیئر کرنی پڑتی اور وہ جانے کیا سوچتا۔ فاروق چودھری کو اچھی طرح احساس تھا کہ صرف وہ ان کے کہنے پر نکاح کے لیے راضی ہوا ہے، اب وہ اسے کبیدہ خاطر ہونے یا بے زاری کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔

☼ ☼ ☼

عائلہ، صوفیہ، رحمہ کے ساتھ ان کے شوہر بھی ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے۔ یہ میٹنگ عاشر احمد کے گھر ہو رہی تھی۔ موضوع گفتگو فاروق چودھری کی خاص مقصد کے لیے آمد تھی۔

"آپ نے آبدار کی بے خوفی دیکھی ہے؟ اسے کوئی لحاظ نہیں ہے، کل کو وہ ہمارے سروں پہ چڑھ سکتی ہے۔ کس طرح کہہ رہی تھی کہ میں بھی اپنے پپا کی اولاد ہوں، میرا بھی حصہ بنتا ہے۔" عائلہ نے از سر نو اس مسئلے کا ذکر کر کے پریشانی بڑھا دی تھی۔

"اس کا کون سا حصہ ہے، کل کو شادی کر کے یہاں سے چلی جائے گی۔ اسے کون سے حصے کی ضرورت ہے۔ اس کی سسرال خود اتنی امیر ہے۔" صوفیہ نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے اپنی رائے دی تو رحمہ اس کے قریب کھسک آئیں۔

"یاور کا رشتہ پہلے عزہ کے لیے آیا تھا۔ جو میں نے اپنی بے وقوفی سے گنوا دیا۔ مگر اب بہت پچھتاتی ہوں۔" عائلہ چپکے چپکے ان دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر خود بھی ادھر کھسک آئیں۔

"تو تم یہ چاہتی ہو کہ عزہ کے لیے دوبارہ یاور کا رشتہ آئے۔" انہوں نے ان کے منہ کی بات چھین لی تھی۔

"آپ نے سنا نہیں فاروق انکل کہہ رہے تھے کہ ہمیں خاندانی لڑکی کی ضرورت ہے۔ اس کی شرافت ہی سب کچھ ہو گی۔ آبدار میں جتنی شرافت ہے، مجھ سے زیادہ کس کو پتہ ہے۔" رحمہ انہیں دونوں واقعات کے بارے میں بتانے لگیں، جن میں سے ایک پرانا اور ایک نیا تھا۔

"اس کے سارے کس بل نہ نکالے تو میرا بھی نام نہیں۔ ویسے بھی نکاح کے بعد یہ بہت خوب سے سمجھنے لگی ہے خود کو، شادی ہو گئی تو اس کی ہمت بڑھ جائے گی۔" عائلہ زہر خند ہو رہی تھی۔

رحمہ نے تو ابھی یہ بات کی تھی۔ انہیں پہلے ہی عائلہ دبے دبے لہجے میں عاشر احمد سے شادی ملتوی کرنے کا کہہ چکی تھیں۔ انہیں بھی ڈر تھا کہ شادی کے بعد آبدار طاقتور ہو جائے گی۔ اپنی زمین اور اپنے آسمان کی موجودگی عورت میں غرور کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ یاور خود اچھے خاصے خوش حال خاندان سے تھا۔ ان کی بے ایمانیاں چھپ نہیں سکتی تھیں۔

انہیں اس کا حل سوچنا تھا۔

"جب فاروق انکل آئیں تو انہیں صاف انکار کردیں۔ آبدار گزارا نہیں کرپائے گی۔ میں نہیں چاہتی غیر خاندان میں جاکر اپنی حرکتوں سے ہمارا نام بدنام کرے۔ رحمہ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس پہ غور کریں۔" عائشہ نے مردوں کو بھڑکانے کی کوشش کی مگر ان تینوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی' کیونکہ باسط خود کو جتنا شریف ظاہر کرتا تھا اتنا تھا نہیں۔ عاشر احمد نے بیوی کو ادھر ہی ٹوک دیا۔

"عائشہ! فضول باتیں نہ کرو۔ میں پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں۔" وہ اپنا سا منہ لے کر بیٹھ گئیں۔ رحمہ بھی بدمزہ تھیں۔ وہ تو بہت دور کی سوچ رہی تھیں کہ کسی طرح عزہ کی بات بن جائے' کیونکہ ان کے ماموں نے خود اپنے منہ سے بار بار بے شرموں کی طرح کہنے کے باوجود ابھی تک کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا تھا۔

"بھابھی! ایک حل ہے میرے پاس۔" صوفیہ کو ان سے ہمدردی سی ہوئی۔

"وہ کیا؟" عائشہ اور رحمہ دونوں نے اسے دیکھا۔

"اب کی بار جب فاروق انکل آئیں تو ان سے کہا جائے کہ آبدار نکاح کے لیے راضی نہیں ہے' بے شک باسط کے ساتھ آبدار کے پکڑے جانے کا بھی بتا دیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے' کنزہ یا کوئی اور بتادے گا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے' کنزہ تو رخصتی کے لیے مری جارہی ہے۔"

"کنزہ سے ملاقات ہی نہیں ہونی چاہیے فاروق انکل کی۔ ان کی آمد پہ کنزہ کو کہیں بھجوادیا جائے۔ پھر فاروق انکل اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں کہ سب کچھ جان سن کر بھی آبدار کو بیاہ کرلے جائیں۔"

صوفیہ نے تو جیسے ہر سوال کا جواب سوچا ہوا تھا۔ رحمہ کچھ کچھ متفق تھیں پر عائشہ نہیں تھیں' کیونکہ آبدار کے ساتھ کوئی باسط کا نام لے انہیں گوارا نہیں تھا۔ آبدار کے ساتھ باسط کی بھی تو بدنامی تھی۔

"اتنا لمبا کھڑاگ پالنے کی کیا ضرورت ہے' صاف صاف کہہ دیں گے کہ آبدار راضی نہیں ہے۔ بہت سے بہانے بنائے جاسکتے ہیں۔ اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔"

"ہاں بھابھی! آمتی تو آپ ٹھیک ہیں' کیونکہ آبدار کی شادی کی صورت میں سب سے زیادہ نقصان شاید آپ کو ہی ہو۔" صوفیہ نے کھل کر چوٹ کی۔ عائشہ تلملا ہی تو گئیں۔

* * *

آبدار کے امتحانات بخیر و خوبی ختم ہوگئے تھے۔ رمضان کا آغاز ہوچکا تھا۔ فاروق چوہدری پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے کہ اس بار بات فائنل کرکے ہی جائیں گے۔ عاشر احمد نے تو انہیں حیران کردیا تھا۔

"آبدار اب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔"

"مگر میں سعید الدین کو اپنی مشکلات سے آگاہ کرچکا تھا۔ وہ میری مجبوریوں سے واقف تھا۔ آبدار کو اگر تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے تو یاور سمیت کوئی بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔" انہوں نے معقول بات کی تھی۔

"میں ان سے بات کرچکا ہوں' بلکہ کنزہ سے بھی میں نے بات کرکے صلاح دی تھی کہ اب آپ کی رخصتی ہوجانی چاہیے۔ پر آبدار خود بھی راضی نہیں ہے۔"

"ممکن ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے' میں کنزہ بیٹی سے بات کرتا ہوں خود۔"

"انکل! کنزہ گھر پہ نہیں ہے۔ آبدار کے ساتھ اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہے۔" اتنے عرصے میں عائشہ نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"عاشر ٹھیک کہہ رہے ہیں' آبدار کا دل خود ہی بدل گیا ہے۔" عائشہ نے ان کی طرف جھکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ اتنے میں صوفیہ' رحمہ اور یاسر بھی چلے آئے' جلال گھر پہ نہیں تھا۔

"انکل! آپ نے پہلے عزہ کے لیے بات کی تھی۔ پھر آپ کا ارادہ بدل کیوں گیا؟" صوفیہ نے انجان بنتے

کی کمال اداکاری کی تھی۔ فاروق نے حیران ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا' پر وہ سوالیہ نگاہوں سے انہیں ہی تک رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے آپ سب کو پتا ہوگا' میں نے عزہ کے لیے ہی مانگا تھا' پر سعید میرے پاس معذرت لے کر آیا کہ ان کے علم میں نہیں تھا کہ عزہ کا رشتہ اس کی ماں ماموں کے بیٹے سے تقریباً طے کرچکی ہیں۔ سعید نے کہا میری دوسری پوتی آبدار بھی ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں' اصل میں بڑے ابا آبدار کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ سے یوں کہا' ورنہ ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔" "اچھے جھوٹ" پہ صوفیہ نے داد طلب نگاہوں سے بیک وقت یاسر اور رحمہ کی طرف دیکھا۔

"اچھا یہ بات تھی' لیکن سعید الدین کو اس غلط بیانی کی کیا ضرورت تھی؟" یہاں تو ایک نئی داستان شروع ہورہی تھی۔ جو ان کے وہم و گمان سے بھی پرے تھی۔

"جی انکل! آبدار کے سامنے انہیں باقی پوتیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ وہ تو جلد از جلد اس بوجھ کو اتارنے کی فکر میں تھے اور انہوں نے آپ کے سر منڈھ دیا۔"

صوفیہ تو کہہ کر چلتی بنیں۔ مگر وہ سوچتے سوچتے ہلکان ہورہے تھے کہ ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ وہ شام کو کافی لیٹ آئے تھے۔ اس لیے سب نے ہی رکنے پہ اصرار کیا۔ ویسے بھی افطاری میں کم وقت باقی تھا۔ انہوں نے خود کو میزبانوں کی مرضی پہ چھوڑ دیا۔

* * *

یاور نوٹ کررہا تھا کہ فاروق چوہدری جب سے واپس آئے ہیں' مکمل اپ سیٹ سے ہیں۔ خود سے پوچھنا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ وہ انتظار میں تھا کہ شاید وہ خود ہی بتادیں۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ فاروق خود ہی اس کے پاس چلے آئے۔ وہ ساتھ والے گاؤں سے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔ نوکر نے پیغام دیا کہ چوہدری صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ یاور نے چینج بھی نہیں کیا اور ادھر چلا آیا۔ وہ بہت تذبذب کا شکار نظر آرہے تھے۔

"بابا جان! کیا بات ہے آپ نے بلوایا ہے مجھے۔ خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت ہی تو نہیں ہے' تمہارے سسرال سے فون آیا ہے کہ تمہاری منکوحہ طلاق کا مطالبہ کررہی ہے۔"

"تو بابا جان میں ان کا مطالبہ پورا کردیتا ہوں' پریشانی کی کیا بات ہے۔" ان کی نسبت وہ بہت مطمئن اور پرسکون تھا۔ فاروق نے بے بسی سے اس کی سمت دیکھا۔

"میں پہلے دو بار گیا تو مجھے کہا گیا ابھی سعید الدین کو مرے اتنا عرصہ نہیں ہوا کہ وہ شادی جیسی خوشی منا سکیں۔ دوسری بار گیا تو امتحانات کا عذر کرکے ٹال دیا گیا۔ ابھی تین دن پہلے گیا تو مجھے کہا گیا کہ آبدار یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے اور ابھی صبح عاشر کی بیوی کا فون آیا کہ آبدار طلاق کا مطالبہ کررہی ہے۔ تم بتاؤ میں کیا کروں۔ ہمارے پورے خاندان اور دوست احباب کو خبر ہے کہ میں نے تمہارا نکاح دوست کی پوتی سے کردیا ہے اور بہت جلد رخصتی متوقع ہے۔" ان کی پریشانی حد سے سوا تھی۔

"بابا جان! میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ میں ابھی شادی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے سکون سے امتحان کی تیاری کرنے دیں مگر آپ نے تو گن میرے سر پہ رکھ دی۔ آپ کی ضد میں نے پوری کردی۔ اب آپ ہی بھگتیں۔ میرا تو یہاں کوئی قصور نہیں ہے نا!"

یاور بہت تلخ ہورہا تھا۔ اسے حیرت بھی تھی کہ وہ ذری سی لڑکی جسے اس نے ٹھیک طرح دیکھا بھی نہیں تھا۔ طلاق کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے۔ اس سے بہتر تو یہی تھا کہ وہ گل پری کی بات مان کر شرمندہ ہوجاتا اور اس کے ساتھ من پسند زندگی گزارتا۔ کم سے کم اس ذلت اور بے عزتی سے تو محفوظ رہتا جس کا مژدہ بابا جان نے اسے ابھی ابھی سنایا تھا۔

"بابا جان! میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ تمسخرانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ فاروق اسے ٹوک بھی نہ سکے۔
"میرے ساتھ شہر چلنے کی تیاری کرو۔"
"سوری بابا جان! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا مجھے معاف رکھیں۔ یہ آپ کا درد سر ہے۔ مجھے صرف سائن ہی کرنے ہوں گے۔ پیپرز دے دیجیے گا۔ میں مطلوبہ جگہ دستخط کر دوں گا۔" وہ طنز کے تیر اچھالتا باہر چلا گیا۔ فاروق بے بسی سے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

کنزہ، آبدار کی رخصتی کی وجہ سے پریشان تھیں۔
صبح نو بجے کے قریب کنزہ نے فاروق چودھری کو کال کی۔ دعا سلام کے بعد انہوں نے اصل بات کی۔ وہ کچھ دیر کے لیے خاموش سے ہو گئے۔
"کنزہ! میں نے تمہیں اور آبدار کو اپنی اولاد کی طرح تصور کیا مگر میرے ساتھ یہ ہوگا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں خود یاور کے ساتھ آ رہا ہوں۔ جو بات بھی ہوگی۔ روبرو ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ یاور کی زندگی خراب ہو۔ آبدار پہ زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ماں کی حیثیت سے میں تمہارے جذبات اچھی طرح جان سکتا ہوں۔ زبردستی کے رشتے پائیدار نہیں ہوتے۔ پھر بھی تمہارے پاس وقت ہے سوچ لو۔" وہ کیسی باتیں کر رہے تھے۔ کنزہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
"انکل! انکل کیتاییے آپ غصے میں لگ رہے ہیں مجھے۔"
"اور کال کر کیا بولوں۔ اگر راضی نہیں تھی آبدار تو کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟" ہیلو ہیلو کرتی رہ گئیں۔ فاروق رابطہ منقطع کر چکے تھے۔ کتنی دیر ریسیور تھامے وہ ٹوں ٹوں کی آواز سنتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

یاور کا چہرا غصے سے تنا ہوا تھا۔ وریشہ اور عزہ دونوں پاس پاس بیٹھی اسی کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔

"ایک دم اینگری ینگ مین لگ رہا ہے۔" عزہ نے وریشہ سے سرگوشی کی۔ ان کے تعلقات اب بحال ہو چکے تھے۔ کیونکہ ممانے عزہ کو بتایا تھا کہ تمہاری صوفیہ چچی نے تمہاری خاطر کتنا "بڑا کام" کیا ہے۔ سو اس کا ممنون ہونا لازمی تھا۔
"یہ اینگری ینگ مین تمہارا بھی ہو سکتا ہے اگر تم جھوٹ سے کام نہ لیتیں۔" وریشہ کو پرانے حساب چکانے کی ضرورت تھی اور چپ رہنا عزہ کی مجبوری۔ سو خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔
یاور اور فاروق ابھی ابھی پہنچے تھے۔ یاسر، عاشر اور جلال میں سے کوئی بھی گھر پہ نہیں تھا۔ رحمہ انہیں اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئی تھیں۔ یاور نے بیٹھتے ہی پوچھا کہ "جلال انکل کب تک آئیں گے؟" وہ ہرگز انتظار کرنے کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بار بار کلائی میں بندھی رسٹ واچ دیکھ رہا تھا۔ رحمہ صوفیہ کو بلا لائی تھیں۔ ایک سے وہ بجھے تھے۔ صوفیہ کے ساتھ وریشہ بھی چلی آئی۔
یاور دونوں لڑکیوں کی نگاہوں سے الجھن سی محسوس کر رہا تھا۔ فاروق کنزہ کی طرف جانا چاہ رہے تھے پر رحمہ نے بٹھایا تھا اور اسی وقت کھانے کے انتظام میں لگ گئی تھیں۔ صوفیہ کے پاس موقع اچھا تھا۔ فاروق، آبدار کے تایا، چچا اور کنزہ کی موجودگی میں بات کرنا چاہ رہے تھے پر صوفیہ نے جان کر یہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔ فاروق سنتے جا رہے تھے۔ اب تو یاور بھی متوجہ تھا۔
"عاشر بھائی کیا کرتے۔ کتنی بار کنزہ سے کہا کہ اب عزت سے رخصتی کر دو۔ پر وہ بے چاری بھی کیا کرے جب اولاد ہی قابو میں نہ ہو تو۔ شروع سے ہی منہ زور ہے۔ اس کو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہے۔ شروع سے اپنی مرضی کرتی آئی ہے۔ اب یہاں بھی اڑ گئی ہے کہ شادی نہیں کرنی۔"
یاور کے چہرے پہ غصے کی سرخی پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد یہ قصہ ختم کرنا چاہتا تھا۔
"بابا جان! میں فیصل کی طرف جا رہا ہوں۔ جب

میری ضرورت پڑی کال کر لیجیے گا۔" وہ انہیں باتوں میں مصروف ہکا بکا چھوڑ کر ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ رحمہ آنٹی کے سرونٹ کوارٹرز میں آرام کرتے ڈرائیور سے گاڑی کی چابی لی اور اسٹارٹ کر کے گیٹ تک لایا۔ چوکیدار گیٹ کھولنے لگا۔ آبدار اپنی ایک دوست کے گھر سے واپس آ رہی تھی۔ وہ گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے اس چہرے کو وہ با آسانی شناخت کر سکتی تھی۔ یاور نے اپنی دھن میں اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا ورنہ نظر پڑ ہی جاتی تھی۔ وہ حیران سی ہوتی اپنے پورشن میں آ گئی۔
کنزہ معمول کے کاموں میں لگی ہوئی تھیں۔
"مما! فاروق بابا تو نہیں آئے؟" اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں تو میں نے تو نہیں دیکھا نہ مجھے پتا ہے۔"
"مما میں نے ابھی ان کی گاڑی گیٹ سے نکلتے دیکھی ہے۔"
"کیا کہہ رہی ہو۔ وہ یہاں تک آئے اور پھر چلے گئے مجھے کسی نے بتایا تک نہیں۔"
"مما! فاروق بابا نہیں بلکہ وہ یاور تھے۔ گاڑی گیٹ سے نکل رہے تھے میں خود دیکھ کر آ رہی ہوں۔" اس نے کچھ توقف کے بعد بتایا۔ کنزہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ "میں جا کر پوچھتی ہوں۔" وہ جوتے پہن کر بڑی جلدی میں نکلیں۔
فاروق چودھری ڈرائنگ روم میں تھے۔ ادھر یاور نکلا ادھر عاشر اور یاسر بھی آ گئے۔ صوفیہ نے فون کر کے فیکٹری سے بلوایا تھا۔
"السلام علیکم فاروق انکل! آپ کب آئے ہیں؟" کنزہ کو تو جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی تھی۔
"میں کافی دیر سے آیا ہوا ہوں۔ آبدار کے تایا اور چچا کا انتظار کر رہا تھا۔ اچھا ہوا تم بھی ادھر ہی آ گئیں۔" فاروق چودھری کا لہجہ ٹھنڈا اور ٹھار تھا۔ اس میں کسی بھی گرم جوشی اور اپنائیت کی رمق نہیں تھی۔ صوفیہ کنزہ کو یہاں دیکھ کر سرپٹ لینے کو تی چاہا۔ کم بخت سارا کھیل بگاڑنے چلی آئی تھیں۔
"خیریت تو ہے؟"
"اب کون سی خیریت ہے طلاق کا مطالبہ تو تمہاری طرف سے آ گیا ہے۔"
کنزہ کے سر پہ منوں پہاڑ آ گرا تھا۔ عاشر اور یاسر بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"انکل! آپ کیا کہہ رہے ہیں طلاق کا مطالبہ میں بھلا ایسے کیوں کروں گی؟" حیران ہونے کی باری اب فاروق کی تھی۔ ان دونوں کے سوا باقی سب نفوس ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہے تھے۔ یاور بھی آ گیا تھا۔ فیصل اس کے ساتھ تھا۔ وہ وکیل تھا۔ یہاں آنے سے پہلے ہی یاور نے اسے طلاق کے کاغذات تیار کرنے کو کہہ دیا تھا۔ وہ اپنی تیاری مکمل کر چکا تھا۔ یاور اسے ساتھ لے کر واپس آیا تھا کہ اس کی موجودگی میں طلاق کی کارروائی مکمل ہو۔ وہ محترمہ کی خوشی پوری کر کے یہاں سے جانا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں کام کرنے والی زبیدہ نے آبدار کو یہ خبر ابھی ابھی سنائی تھی کہ ادھر ڈرائنگ روم میں آپ کی طلاق کی باتیں ہو رہی ہیں اور بیگم صاحبہ رو رہی ہیں اور کھانا سرو کرنے کے دوران کی باتیں ہو رہی تھیں اور وکیل بھی آ گیا تھا۔ برتن اٹھانے تک یہی موضوع زیر بحث تھا۔ کنزہ رو رہی تھیں۔ اس کی بے بسی پہ زبیدہ کا دل بھی بھر آیا تھا۔
ڈرائنگ روم کا آنکھوں دیکھا حال اس نے آبدار کو بتا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آبدار بڑے مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی آئی تھی۔ سب کی نگاہیں بیک وقت اس کی طرف اٹھی تھیں۔ یاور سائن کرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ پین اس کے ہاتھ میں تھا اور پین کی کیپ وہ کھول چکا تھا۔ کنزہ سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ وہ بس روئے جا رہی تھیں۔ آبدار کے بارے میں کیا کیا کچھ کہا جا رہا تھا۔

اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
آبدار سیدھی یاور کی طرف آئی۔
یاور کے سامنے ٹیبل پہ پیپرز پڑے تھے۔ جس پہ اس نے صرف سائن کرنے تھے۔ اس نے چیتے جیسی پھرتی سے یاور کے سامنے پڑے موت کے پروانے کو اپنے قبضے میں لیا اور اس کے چار ٹکڑے کرکے پھینکا۔
"پاپا جان! مجھے طلاق نہیں چاہیے۔ میں ابھی اسی وقت آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ مجھے لے جا سکتے ہیں۔ جیتے جی مجھے اور میری مما کو مت ماریے۔"
جتنی تیزی سے وہ آئی تھی اس سے بھی زیادہ تیزی سے بات مکمل کرکے ہٹ گئی تھی۔
فاروق چودھری کے سینے سے پُرسکون سانس خارج ہوئی۔
"کنزہ بیٹی! تم رخصتی کے لیے تیار ہو؟" اس نے صرف سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔
"عام حالات میں میں آبدار کو دھوم دھام سے رخصت کرا کے لے جاتا مگر اب وقت نہیں ہے تم نے جو بھی تیاری کرنی ہے کرو۔ میں جب تک گاؤں فون کرکے بتا دوں فنکشن کو۔" انہوں نے اپنے دست راست کا نام لیا۔
"آبدار کا باپ نہیں ہے تو کیا ہوا۔ ہم سب تو ہیں نا! اسے ایسے رخصت نہیں کریں گے۔" عاشر کو شرمندگی کی وجہ سے بڑی دیر بعد بولنے کا خیال آیا تھا۔
"چلیں ٹھیک ہے لیکن زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں آپ کو صرف ایک ہفتہ دوں گا۔"
"ٹھیک ہے انکل! جو آپ کا حکم۔" یاسر سعادت مندی سے بولا۔
ادھر بساط ہی الٹ گئی تھی۔ فاروق چودھری اور یاور کے سامنے مارے شرمندگی کے وہ سر ہی نہیں اٹھا رہے تھے۔ آبدار نے کھیل ہی بگاڑ دیا تھا۔ فاروق نے کوئی وضاحت نہیں مانگی نہ ہی کریدنے کی کوشش کی۔ کھیل کچھ کچھ ان کی سمجھ میں آ رہا تھا۔
آج کا میدان آبدار کے ہاتھ میں رہا تھا۔ وہ خود بھی اپنی جرأت پہ حیران تھی کہ کتنا حوصلہ یکدم اس کے اندر سرایت کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼
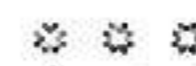
فاروق نے کھل کر منع کر دیا تھا کسی بھی قسم کے جہیز کے لیے۔ انہوں نے کنزہ کو سختی سے کہا تھا کہ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے۔ پھر بھی ان کے پاس جو بینک بیلنس تھا انہوں نے "تقریباً" آدھے سے زیادہ آبدار کے نام ٹرانسفر کروا دیا تھا۔ سونے کا ایک بڑا سا سیٹ بنا ہوا تھا ایک انہوں نے اپنی شادی کا لاکٹ گراز سرِنو پالش کروا کر آبدار کو دینے کے لیے رکھ دیا اور ساتھ سونے کے وہ کنگن بنوائے۔ ان کے پاس یہی سرمایہ تھا۔ اب وہ کسی سے کوئی شکوہ کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ آبدار کے بولنے اور شکوہ کرنے کا نتیجہ وہ دیکھ چکی تھیں۔
مہمانوں کی لسٹ بنانے کا مرحلہ آیا تو عاشر احمد نے صاف صاف کہہ دیا کہ باہر سے کسی مہمان کو نہیں بلایا جائے گا "صرف خاندان کے قریبی لوگ شامل ہوں گے۔" یہ مشورہ عائمہ نے ہی دیا تھا کہ زیادہ لوگوں کو بلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔
کنزہ کو دبانے کی اس کے پاس ایک اور چیز تھی۔ آبدار کی بدنامی کے قصے چھیڑ کر وہ مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتی تھیں۔ پھر کنزہ تو ویسے بھی برسوں کی دل دہلی عورت تھی اس پہ زیادہ محنت کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔
رخصتی سے ایک رات پہلے آبدار کی مہندی تھی۔ اس میں کنزہ کی طرف سے صرف اس کے بھائی اور بھابھی ہی شریک ہوئے تھے۔ مارے بندھے آبدار کی تائی اور دونوں چچیاں بھی آ گئی تھیں۔ منہ پھر بھی سب کے پھولے ہوئے تھے۔ نہ ڈھولک بجی نہ دھوم دھام سے مہندی آئی نہ کوئی رسمیں ہوئیں اور آبدار کی مہندی بھی ہو گئی۔ وہ گھر کے سادہ سے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ عائمہ، رحمہ اور صوفیہ تینوں ٹولی بنا کر الگ بیٹھی تھیں۔ آج کل تینوں میں بہت ایکا تھا۔

"ہماری بھی بیٹیاں ہیں پر ایسی بے شرم پیدا ہوئی دیکھی نہ سنی۔ کس بے حیائی سے منہ پھاڑ کر سب کے سامنے کہہ دیا کہ آپ مجھے جب چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ جب ماں کو بیٹی کے یہ کرتوت پتا تھے کہ جوانی سنبھالی نہیں جا رہی ہے تو پہلے ہی رخصت کر دیتی۔" صوفیہ کی زبان اور لہجہ جاہل عورت سے بھی گیا گزرا تھا۔
"اچھا ہے دفعان ہو رہی ہے۔" رحمہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ رہی ہیں۔
"سارے کس بل نکل جائیں گے آبدار بی بی کے۔ لڑکا بھی جاگیرداروں کے خاندان سے ہے۔ بہت مجھے ڈھیٹ اور مغرور لگتا ہے۔ اس روز جب سب باتیں کر رہے تھے تو اس کے چہرے کا رنگ کیسے بدل رہا تھا۔"
"عائمہ بھابھی آپ ٹھیک کہتی ہیں اچھا بھلا طلاق نامے پہ سائن کرنے لگا تھا جب یہ آفت کی پرکالہ وہاں آ گئی۔ منہ سے ہی کہہ دیتا کہ میں نے طلاق دی تب بھی ہمارے پاس گواہی ہوتی پر اب تو۔"
صوفیہ اچھی خاصی افسردہ تھی۔ "مجھے نہیں لگتا یہ وہاں گزارا کر پائے گی۔ دونوں بچے وہ بھی پرائے۔ جب سنبھالنے پڑیں گے تو لگ پتا جائے گا۔ دال آٹے کا بھاؤ۔ اوپر سے چودھری یاور۔ کرنل مو ہے پورا ۔۔۔ہاہاہا!" رحمہ کے ہر لفظ سے تنفر ٹپک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آبدار باتھ روم میں آئی۔ رگڑ رگڑ کر ہاتھ پاؤں سے مہندی کا لیپ چھڑایا۔ کنزہ اندر زیورات نکال کر بیٹھی تھیں۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کے اس شغل میں مصروف تھی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ آبدار منہ ہاتھ دھو کر لان میں آ گئی۔ آج اس گھر میں اس کی آخری صبح تھی۔ وہ سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔ اسے وہاں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ اپنے پیچھے اسے آہٹیں سنائی دیں۔ اس کے مڑ کے دیکھنے سے پہلے ہی وہ سامنے آ گئے۔ عمر، آمنہ اور شاہ میر تینوں اکٹھے تھے۔ کچھ بولنے سے پہلے شاہ میر نے اس کی طرف ہاتھ سے بنا "آئی ایم سوری" کا کارڈ بڑھایا۔
وہ سب ان کی مشکلات سمجھنے لگی تھی لہٰذا کوئی شکوہ نہیں کیا۔ تینوں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔
"آبدار! ہم تمہیں بہت مس کریں گے۔"
"میں بھی بہت یاد کروں گی تمہیں۔" ایک دکھ نے گرفت میں لے لیا تھا۔
"میں نے بہت دفعہ تم سے بات کرنی چاہی پر مما سے ڈر لگتا تھا۔" شاہ میر نے حقیقت بتائی۔
"مجھے پتا ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔
"ہم سب تمہیں بہت یاد کرتے تھے تمہارے بغیر کسی کھیل میں مزا نہیں آتا تھا۔" شاہ میر ان سب کی ترجمانی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔
"میں نے تمہارے بغیر کوئی کھیل کھیلا ہی نہیں۔" آبدار نے شاہ میر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
آج وہ ان سے لڑ جھگڑ نہیں رہی تھی نہ شور مچا رہی تھی۔ بس خاموشی سے انہیں تکے جا رہی تھی۔ "آبدار تم آیا کرو گی نا مما کہتی ہیں تم کبھی واپس نہیں آؤ گی۔" آمنہ نے اس کے گھٹنے سے سر اٹھا کر پوچھا۔
"میں ضرور آؤں گی تم سے ملنے کے لیے۔ اپنے فرینڈز سے ملنے کے لیے۔"
"تم نہ آئیں تو میں خود تمہارے پاس آ جاؤں گا۔" شاہ میر کی دھمکی پہ اس کے آنسو نکل آئے۔
"میں تم سب کا انتظار کروں گی۔" اس کی آنکھوں میں سے دو آنسو لڑھک کر اس کے گھٹنے پہ بیٹھی آمنہ کے سر پہ گرے تھے۔
"میں منہ ہاتھ دھو کر ناشتا کرکے سیدھا تمہارے پاس آتا ہوں "آخر کو تمہیں رخصت بھی تو کرنا ہے۔" شاہ میر نے رعب جھاڑنے کی کوشش کی۔
"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو بالکل تمہارے جیسا ہوتا۔"
"میں تمہارا بھائی ہی تو ہوں۔" شاہ میر آج بہت بڑا بڑا لگ رہا تھا۔
آبدار کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو چمک

تھے۔ اس بار وہ اکیلی نہیں بلکہ وہ تینوں بھی اس کے ساتھ رو رہے تھے۔ بڑوں کے مقابلے میں ان کے دل ہر قسم کے کھوٹ سے پاک تھے۔ بے پروا اور محبت سے بھرپور۔ ان کی دوستی پھر سے مضبوط ہو گئی تھی۔

آبدار کو لگ رہا تھا ان کے درمیان کبھی کوئی دوری اور خلیج حائل ہوئی ہی نہیں تھی۔ پر اب بچھڑنے کی گھڑی سر پہ کھڑی تھی۔ ان تینوں دوستوں کی معصوم دعائیں آبدار کے ہمراہ تھیں۔ اس نے کسی خزانے کی طرح ان چاہتوں کو دل کے نہاں خانوں میں محفوظ کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فاروق چودھری اسے اپنے ساتھ لے کر بیگم حاجرہ خانم کے پاس لائے۔ اپنا کمزور سا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر انہوں نے بہت سی دعائیں دی تھیں۔ کمزور وجود اور مشفق چہرے والی حاجرہ خانم آبدار کو اچھی لگی تھیں۔ وہ خود سے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتی تھیں۔ لیٹے لیٹے اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ یاور کی معصوم سی دلہن حاجرہ خانم کو بہو کے روپ میں بہت پسند آئی تھی۔

تابش اور حرا مسلسل اس کے ساتھ تھے۔ حرا اس کی گود میں چڑھنے کی کوشش میں تھی اور تابش اس کا دوپٹہ ٹھیک کرنے کی فکر میں تھا۔ حاجرہ خانم کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔ انہیں یہ منظر بڑا بھرپور لگا تھا۔ اپنائیت میں رچی بسی اپنی سی خوشبو تھی اس میں۔

اس کے جانے کے بعد حاجرہ خانم فاروق چودھری سے آبدار کے بارے میں پوچھنے لگیں کیونکہ وہ انہیں بتا چکے تھے کہ سعید الدین آبدار کے معاملے میں کسی پہ اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

یاور صوفے پہ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ فاروق جو لیٹ چکے تھے اٹھ کے بیٹھ گئے تھے۔ یاور اس وقت بے وجہ ان کے پاس نہیں آیا تھا۔

"بابا جان! آپ نے آبدار کے گھر میں سب کی باتیں سنیں اور پھر نمرہ آنٹی کی پراسرار خاموشی بھی گواہ تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، ورنہ وہ جھٹلاتیں ان باتوں کو۔"

"بیٹا! اس نے احتجاج کیا تھا، تمہیں یاد ہو تو۔۔۔"

"بابا جان! اس کمزور سے احتجاج کی کیا حیثیت تھی؟ وہاں سب ایک ہی راگ الاپ رہے تھے۔"

"یاور! سعید الدین کو پہلے ہی خوف تھا کیونکہ آبدار کا باپ نہیں ہے۔ میں رخصتی کے لیے بات کرنے جب بھی گیا ٹال مٹول سے کام لیا گیا۔ آخر میں وہاں سے کہا گیا کہ آبدار طلاق مانگ رہی ہے۔ تم خود دیکھ لو۔ وہاں کیا کچھ ہوا۔ شکر ہے کہ میں اپنے دوست کی روح کے آگے شرمندہ ہونے سے بچ گیا ہوں۔"

"بابا جان! آپ اپنے تمام بوجھ میرے سر پہ ڈال رہے ہیں۔" اس نے شکایتی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بے نیاز بن گئے تھے۔ اسے تاؤ آ گیا۔

"بابا جان! آپ کو اپنے دوست کی روح کا اتنا خیال ہے، میں آپ کا بیٹا ہوں، میرا بھی کوئی خیال ہے آپ کو؟"

"کیوں نہیں خیال، اب کے بعد تم ہی تو میری امیدوں کا مرکز ہو۔ میرے بھتیجے کی امید ہو، سارے منفی خیالات کو ذہن سے جھٹک کر نئے سفر کا آغاز کرو۔"

"ہونہہ نیا سفر۔" اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔ فاروق چودھری ان باتوں کو اہمیت نہیں دے رہے تھے، کیونکہ وہ اس سارے معاملے کو الگ ہی تناظر میں دیکھ رہے تھے۔

"میری منکوحہ کے بارے میں وہ جو باتیں کر رہے تھے، میرا خون ابھی تک کھول رہا ہے۔"

"پلیز یاور! کول ڈاؤن، احساس تو میں بھی کر رہا ہوں کہ کچھ غلط ہوا ہے، لیکن آبدار کی طرف سے نہیں۔" ان کا لفظ لفظ یقین میں ڈوبا ہوا تھا۔

یاور کو سخت غصہ آ رہا تھا۔

وہ کافی دیر یونہی باغ میں بیٹھا اندرونی جلن پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ سگریٹ وہ نہیں پیتا تھا، کبھی کبھار شغل کر لیتا تھا۔ آج تو وہ ساری کھولن سگریٹ کے دھوئیں میں گم کر لینا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

حرا آبدار کے گھٹنے پہ سر رکھے آنکھیں بار بار بند کر رہی تھی جبکہ تابش بھی جمائیاں لے رہا تھا۔ یاور نے دروازے سے ہی یہ منظر دیکھا۔ وہ اپنا سلیپنگ سوٹ لینے آیا تھا۔

"چلو حرا اور تابش میں آپ لوگوں کو اپنے روم تک چھوڑ آؤں۔" اس کے لہجے میں سختی تھی۔ آبدار سہم سی گئی۔

"میں دلہن آنٹی کے پاس سوؤں گا۔" تابش جو نیند سے لڑ رہا تھا، اس کی آمد پہ فریش ہو گیا۔

"میں بھی۔" حرا کیوں پیچھے رہتی۔ جھٹ چہک کر بولی۔ ان کی موجودگی میں وہ آبدار کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"اوکے تم دونوں سوؤ۔ میں ساتھ والے روم میں جا رہا ہوں۔" وہ الماری سے اپنا نائٹ سوٹ نکالنے لگا۔

"چاچو! آپ ہمارے بیڈ روم میں سو جائیں نا۔" حرا نے معصومیت سے مشورہ دیا۔ اتنے میں کھلے دروازے سے حاجرہ خانم کی بہن کی بہو اندر آئیں تو انہیں دیکھ کر حرا اور تابش دونوں آبدار کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کوشش میں آبدار کا بھاری دوپٹہ سر سے نیچے آ رہا۔ وہ بڑی مشکل سے دونوں کو لے کر گئیں۔

آبدار سے بھاری دوپٹہ سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ ہر چیز چبھ رہی تھی۔ یاور دروازہ بھیڑ کر اس کے پاس بیٹھا تو آبدار کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"آپ تو بڑی بہادر ہیں، کوئی گولڈ میڈل ملنا چاہیے آپ کو۔" یاور کے ذہن میں ایک ہفتہ پرانا منظر تازہ تھا، جب وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح آئی، اس کے سامنے پڑے پیپرز کو اٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کیا اور واپس چلی گئی۔

آبدار کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے ابھر آئے۔

"کچھ بولتی کیوں نہیں؟ سنا ہے کہ بڑوں بڑوں کی بولتی آپ کو دیکھ کر بند ہو جاتی ہے۔" آبدار نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ یاور کے چہرے کے تاثرات دوستانہ نہیں تھے۔

"میں کاٹھ کا الو نہیں ہوں۔ اپنی عزت اور غیرت کے معاملے میں، میں کسی بھی قسم کا کمپرومائز نہیں کرتا۔ بابا جان کی محبت اور ان بچوں کی محرومی کے سامنے میں ہار گیا ہوں۔"

آبدار اتنی بچی نہیں تھی کہ اس کی باتوں کا مطلب اخذ نہ کر پاتی۔ تائی جان اپنے رویے کا کچھ نہ کچھ زہر اس کے کانوں میں ضرور انڈیل چکی تھیں۔

اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔ یاور نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید وہ کچھ بولے۔ مگر وہ ہونٹوں پہ چپ کے تالے ڈال چکی تھی۔

وہ اس کے پاس سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ مطمئن تھا۔ رات بڑی پرسکون نیند لی تھی۔

آبدار اس کے رویے کے بارے میں پریشان تو تھی پر اتنا نہیں، کیونکہ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ اس کی بربادی کے قصے اس کی سسرال تک ضرور پہنچے ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ تائی جان ان دونوں کو خوش دیکھتیں۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ قدرے دیر سے بیدار ہوا اور اٹھتے ساتھ ہی تابش اور حرا کی طرف گیا۔ دونوں جاگ چکے تھے اور آبدار کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ جاگنگ کے لیے چلا گیا۔ واپس آیا تو فاروق چودھری اس کے انتظار میں تھے اور ٹھیک ٹھاک غصے میں تھے، کیونکہ وہ لیٹ آیا تھا۔

"ایک دن جاگنگ کے لیے نہ جاتے تو تمہاری صحت پہ کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ نہ تمہارے مسلز سکڑ جانے تھے۔ گھر میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ ناشتے پہ نئی دلہن کیا سوچے گی۔"

انہوں نے شاید ہی کبھی زندگی میں پہلے اس پہ اتنا غصہ کیا ہو۔

"میں کسی کی خاطر اپنی روٹین ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔" وہ مزے سے کہہ کر واش روم میں گھس

گیا۔

اس کے آنے پہ ناشتہ شروع ہوا۔

حرا آبدار کی گود میں چڑھی ہوئی تھی اور تابش اس کے ساتھ والی چیئر پہ بیٹھا دلیہ کھا رہا تھا۔ خاندان کی عورتیں اور یاور کے خالہ زاد بھی موجود تھے۔ قدرتی طور پہ سب کی توجہ آبدار ہی کی طرف تھی۔ وہ نروس سی تھی۔ پر حرا جو اس کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی بہت خوش تھی۔ یاور کے لیے آبدار کے ساتھ والی چیئر خالی رکھی گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی خالہ کی بہو نے معنی خیز انداز میں کھانسیں۔ پر یاور نے معمول کے مطابق ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔

اجنبی جگہ، اجنبی ماحول اور اجنبی لوگوں کی موجودگی میں آبدار سے تو کچھ کھایا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے آدھا سلائس کھا کر رکھ دیا۔ حالانکہ بڑا پر تکلف ناشتا تھا۔ یاور نے تو خوب ڈٹ کے کھایا۔

دن کا ولیمہ تھا۔ بیوٹیشن شہر سے بطور خاص دلہن کو تیار کرنے کے لیے بلوائی گئی تھی۔

یاور کے دوستوں سمیت فاروق چوہدری نے اس موقع پہ تقریباً سب دوست احباب کو مدعو کیا تھا۔ آبدار کی بارات کے برعکس ولیمہ پہ خوب رونق تھی۔ ایک میلہ سا تھا۔ یاور بڑی خوش دلی سے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

آبدار نے سکون کا سانس لیا جب مما آ کر اس کے قریب بیٹھیں۔ اس کا خیال تھا کہ میکے سے مما کے سوا شاید ہی کوئی آئے پر وہاں سے تو سب ہی آئے ہوئے تھے اور تو اور باسط بھائی کی بیگم عائلہ بھی موجود تھی۔

آبدار کے چہرے پہ رونق سی آ گئی تھی۔ سورشہ اور عزہ کی نگاہ اس کے ولیمہ کے جوڑے اور پہنے ہوئے زیورات ہی کی طرف تھی۔ اور آج پورے لوازمات سے سجی بنی بہت شاہانہ جوڑے میں ملبوس وہ خود بھی بہت شان دار لگ رہی تھی۔ ان کے چہرے اتر سے گئے تھے۔

"ویسے ایک بات کہوں ابو بکر بھائی کی بہ نسبت یاور چوہدری کے سامنے اتنی خاص نہیں لگے گی۔" عزہ کا شکار سورشہ کو بھڑکا گیا۔ پر یہ موقع اسے دوبدو جواب دینے کا نہیں تھا۔

وہ سب لیٹ پہنچے تھے، اس لیے فاروق چوہدری نے انہیں رکنے کے لیے کہا۔ یچ تو یہ ہی تھا کہ لڑکیوں کا دل بھی کر رہا تھا رکنے کا' تاکہ آبدار کے سسرال والوں سے تھوڑا اور بھی تعارف ہو جائے۔

مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے تھے۔ عمارہ، ورشہ، عزہ، عائمہ کی دونوں بڑی بیٹیاں حویلی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ آبدار کے بیڈ روم کی سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی آنکھوں میں رشک و حسد کے تاثرات با آسانی محسوس کیے جا سکتے تھے۔

"رونمائی میں کیا ملا ہے آبدار تمہیں؟" ورشہ کو زبردست تجسس تھا دیکھنے اور جاننے کا۔

"سب کچھ عزت و محبت' چاہت' مان' احترام' اعتبار۔" اس کا جواب بہت عجیب سا تھا۔ ورشہ نظر چرا کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

یاور بھی ان کے گھیرے میں تھا۔ کنزہ پر سکون و مطمئن آبدار کو دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ لگتا تھا اس نے سب کچھ پا لیا ہے۔ بنسی بات بات اس کے لبوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ دل سے اس کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں۔

"یاور بیٹا! آبدار تھوڑی ضدی اور قدرے جذباتی بھی ہے۔ بڑے لاڈ سے پالا ہے اس کی ہر بات پوری کی بہت لاڈ سے پالا۔ بس کوئی غلطی ہو بھی جائے تو پیار سے سمجھا دینا یہ سمجھ جائے گی۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

"آنٹی! آپ فکر نہ کریں' آپ جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔"

وہ انہیں بھرپور یقین دلا رہا تھا۔ کنزہ نہال سی ہو گئیں۔ آبدار کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ اور یاور کے بھرپور یقین دلانے کے انداز نے ان کی ساری پریشانیوں اور فکروں کو ختم کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آبدار کی تقریباً ساری فیملی حویلی میں موجود تھی۔ یاور نے الگ بیڈ روم میں سونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے بابا جان پہ رحم سا آ گیا تھا۔ یقیناً وہ جگ ہنسائی سے ڈرتے تھے اور اپنی انسلٹ اسے بھی گوارا نہیں تھا۔

آج تابش اور حرا دونوں اس کے پاس نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکیلی تکیہ گود میں رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر تکیہ پیچھے رکھ دیا۔ یاور کی بھرپور نگاہیں خود پہ جمے دیکھ کر وہ کسمسا کر رہ گئی۔ وہ دوسرا تکیہ اٹھا کر سائیڈ پہ دراز ہو گیا اور لیٹے لیٹے ہی سگریٹ سلگایا۔

"سنا ہے آپ کو اسٹیٹ وغیرہ سے بڑی رغبت ہے۔"

"جی!" وہ اس کی طرف مڑی۔

"جی ہاں اس میں حیرانی کی کیا بات ہے کہ اگر آپ کو کسی زمانے میں نشانے بازی کی مشق کا شوق رہا ہے' اس کے علاوہ آپ کے کیا کیا مشاغل ہیں؟" وہ دوستانہ لہجے میں مخاطب تھا۔ جس میں کسی طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"میرے کوئی خاص مشاغل نہیں تھے' بس کالج سے آنے کے بعد تھوڑا کھیل کود لیتی تھی۔" اس نے بھی سادگی سے جواب دیا۔

"اور کھینہ بھی آپ کے مشاغل میں تھا۔" اس نے لفظ کھینہ پہ خاصا زور دے کر کہا۔

"جی ہاں میں' شاہ میر' آئمہ اور عمر اکٹھے کھیلتے تھے۔ عزہ اور ورشہ سے میری بنتی نہیں بی' میر ان تینوں کے ساتھ گروپ بنا ہوا تھا۔ حریم' عزہ' ورشہ کے سوا اور کوئی بھی میرا ہم عمر نہیں تھا۔ لیکن ان کے ساتھ میری دوستی نہیں تھی۔"

"اوہ اچھا اچھا۔"

"اور پڑھائی میں آپ کیسی تھیں؟"

آبدار ذرا دیر کے لیے خاموش سی ہو گئی۔ یہ اس کا کمزور پہلو تھا۔ یاور نے بولتے بولتے کروٹ لی تو بے دھیانی میں جلتی سگریٹ کا سرا آبدار کے بازو پہ جا لگا۔ ہلکی سی سسکاری اس کے لبوں سے برآمد ہوئی۔ اچھا خاصا نشان پڑ گیا۔

"وہ میں نے دیکھا ہی نہیں۔ ذرا دکھائیں تو...!" دیکھتے دیکھتے سگریٹ دوبارہ آبدار کے بازو سے مس ہوا۔ اس بار یاور نے بڑی بے دردی سے سگریٹ اس کے بازو سے رگڑا تھا۔ پہلی بار غلطی سے ہوا تھا مگر دوسری بار غلطی نہیں تھی۔ اس کا بازو دو جگہ سے جل سا گیا تھا۔ وہاں آبلہ بن گیا تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں دونوں سے لبریز ہو رہی تھیں۔

"آپ تو اتنی بہادر ہیں۔ ذرا سی تکلیف پہ اتنی بزدلی۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ آبدار نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کر ڈالے۔

"میں اتنی بھی کمزور اور بزدل نہیں ہوں جتنی آپ نے تصور کیا ہے۔"

"پھر آپ کتنی کمزور ہیں خود ہی بتا دیں۔" آبدار صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"کہاں کیوں چلی گئی ہیں آپ۔"

"اس گھر میں میں اپنی مرضی سے آئی ہوں' لائی نہیں گئی ہوں۔"

"ویری گڈ! آپ تو بہت زیادہ حقیقت پسند ہیں آبدار صاحبہ!"

"حالات کی تلخی اچھے اچھوں کو حقیقت پسند بنا دیتی ہے۔" اسے اب بازو میں ہونے والی تکلیف بالکل بے معنی لگ رہی تھی۔ جبکہ چند منٹ پہلے تک اسے رونا آ رہا تھا۔

یاور نے اس کی آنکھوں کی سرکشی کو واضح طور پہ محسوس کیا تھا۔ کسی کے آگے نہ جھکنے اور ہار نہ ماننے کا تہیہ کرنے والی چمک دار بے ریا آنکھیں۔

"آپ میں تو بہت ساری خوبیاں ہیں۔ خیر آہستہ آہستہ ہم بھی واقف ہو جائیں گے۔"

وہ کپڑے بدل کر آ چکا تھا۔ سفید نائٹ شرٹ۔ جس کے بٹن لگانے کی اس نے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

براؤن ماتھے پہ آئے بال جنہیں وہ بار بار ہاتھوں سے پیچھے کر رہا تھا۔ آبدار کو حیا سی آگئی۔ اس نے بڑی جلدی نگاہ موڑی تھی۔ لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

"آپ وہاں اتنی دور چلی گئی ہیں۔ بیڈ پہ خاصی جگہ ہے' دو بندے آرام سے سو سکتے ہیں۔" وہ اس کے پاس چلا آیا۔ آبدار صوفے پہ پہلے ہی سمٹ کر بیٹھی تھی۔ مزید جگہ نہیں تھی۔ وہ سر پہ کھڑا تھا۔

"نن نن... نہیں۔ میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔"

"آپ ادھر ہی تو ٹھیک نہیں ہیں۔" کھڑے کھڑے جھک کر اس نے آبدار کے ماتھے پہ آئے بالوں کی ایک لٹ انگلی سے چھیڑی۔ وہ خوف زدہ ہرنی کی طرح بدک گئی۔ وہ بڑی دلکشی سے مسکراتا اس کے پاس گیا اور صوفے کی بیک پہ بازو پھیلا دیا۔ اپنے پسندیدہ کلون اور باڈی اسپرے کا اس نے فراخ دلی سے استعمال کیا تھا۔ نیم مدہوش کرتی خوشبو نے آبدار کے گرد بڑی تیزی سے اپنا حصار مضبوط کیا تھا۔

"او آپ تو ڈر رہی بھی ہیں۔" یاور نے دائیں ہاتھ کی انگلی اس کے رخسار پہ پھیری۔ آبدار نے ڈر کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے گلابی نم والب دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔ یاور کی انگلی اس کے ہونٹوں پہ آٹھہری۔

"واقعی لگ رہا ہے کہ میں ہی..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ آبدار کی تو سانس ہی سینے میں اٹک گئی۔ یہ آنکھیں بہت شفاف اور بے ریا ہیں۔ یاور کا پور اس کی آنکھوں پہ جا ٹھہرا تھا۔ انگلی کے نیچے سے اس کی پلکوں کا لرزنا وہ واضح طور پہ محسوس کرچکا تھا۔ یاور نے اب اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھنا شروع کردیا۔

"یہ ہاتھ میں نے ہی پکڑا ہے نا؟"

وہ جانے کیا تصدیق چاہ رہا تھا۔ اس کا نازک مخروطی لانبی انگلیوں والا ہاتھ یاور کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ حالانکہ موسم اتنا گرم بھی نہیں تھا اور کمرے میں اے سی بھی چل رہا تھا۔ وہ پے در پے اس کا امتحان لے رہا تھا۔ آبدار کا ہاتھ اس نے اپنے سینے پہ رکھ لیا تھا۔ وہ اس کے دل کی دھک دھک انگلیوں کی پوروں تلے محسوس کرسکتی تھی۔

"آبدار!" اس کا نام سرگوشی کی طرح یاور کے لبوں سے سرسرایا۔ آبدار نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا تو سارا طلسم ایک ثانیہ میں ٹوٹ گیا۔ وہ بھی جیسے چونک کر ہوش کی دنیا میں واپس آیا۔

آبدار اٹھ کر واش روم میں آئی تو آئینے میں اپنی آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ سوجی سوجی لال آنکھیں۔

"کمال ہے میں روتی رہی ہوں اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔" ایک بار پھر اس کے گالوں پہ آنسو لڑھک آئے۔ اسے یوں لگا جیسے یاور کی انگلیاں ابھی تک اس کے رخساروں پہ دھری ہیں۔

آگہی کا در صرف چند منٹ پہلے ہی اس پہ وا ہوا تھا کہ ہوا ایسا بھی ہوسکتا ہے جو دل سمیت پورا وجود مٹھی میں لے لے اور پھر بے بسی کا تماشا دیکھے۔

✿ ✿ ✿

آبدار بڑی سنجیدگی سے اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہونے کے چکر میں تھی۔ مگر دو غمیں پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

آج بھی فاروق چوہدری کے ایک دوست کے ہاں وہ ساتھ والے گاؤں میں انوائٹ تھے۔ یاور تیار ہو رہا تھا۔ اس کے کپڑے بیڈ پہ ہینگر میں پڑے ہوئے تھے۔ آبدار اس سے پہلے ہی اپنی تیاری مکمل کرکے باہر نکل گئی تھی۔

یاور کلون کی بوتل ہاتھ میں پکڑے خود پہ اسپرے کر رہا تھا' جب اس کا سیل فون مدھر دھنیں فضا میں بکھیرتے ہوئے اسے متوجہ کرنے لگا۔ گل پری کی کال تھی۔ یاور نے سیل ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اسے حیرت سی ہو رہی تھی۔ وہ دو ڈھائی ماہ بعد رابطہ کر رہی تھی۔ آخری بار جب دونوں میں بات ہوئی تھی تو لگتا تھا کہ سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ کیونکہ نہ گل پری اس کی ماننے کے لیے تیار تھی اور نہ وہ اس کی شرائط پہ راضی

تھا۔ سو دل کی خواہشات اس نے دل میں ہی ختم کردی تھی۔ لیکن ابھی ابھی گل پری کی مانوس آواز سن کر اسے اپنے بچکانہ خیالات پہ ہنسی آنے لگی تھی۔ بھلا خواہشات کو مارنا اتنا آسان کہاں ہوتا ہے' وہ تو دوبارہ سے زندہ ہو کر سر اٹھانے لگتی ہیں۔

"کہاں ہو تم اتنے ماہ سے؟" گل پری کی آواز میں چاہت بھرا غصہ تھا۔

"میں تو ادھر ہی ہوں۔ تم کہاں ہو؟"

وہ دھیان سے بولا۔ اپنے اور اس کے مابین تعلق کی مضبوطی اس پہ ابھی ابھی ظاہر ہوئی تھی۔ وہ منظر سے غائب تھی تو یاور کو احساس تک نہ تھا۔ وہ پھر سامنے آگئی تھی تو پرانی باتیں بھی ایک ایک کرکے یاد آنے لگی تھیں۔

"میں بھی بس ادھر ہی ہوں تمہاری دنیا میں۔ یہ بتاؤ' بابا جان وغیرہ ٹھیک ہیں۔"

"ہاں سب خیریت ہے۔"

"کیا کر رہے ہو؟"

"میں تیار ہو رہا ہوں۔"

"کہاں جانا ہے؟"

"ایک دعوت میں انوائیٹڈ ہوں۔ بابا جان کے دوست کے گھر۔"

"اوہ اچھا اچھا۔ اور کون کون جا رہا ہے؟"

"میں اور میری وائف۔" اس نے عام سے انداز میں کہا۔ دوسری طرف گل پری پہ حیرت اور صدمات کے پہاڑ بیک وقت ٹوٹے تھے۔

"تت تت... تم نے شادی کرلی اور مجھے بتایا تک نہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ گل پری کے آنسو وہ کچھ نہیں سن سکا تھا فوراً فون بند کردیا۔ دوسری طرف گل پری کو ابھی بھی اپنی سماعتوں پہ دھوکہ محسوس ہو رہا تھا۔

غم و غصے اور حسد کے ملے جلے جذبات سے اس کی بری حالت تھی۔ وہ تو یاور پہ صرف اور صرف اپنا حق تصور کرتی تھی۔ پھر یہ دوسری کون تھی جسے یاور نے اپنی زندگی میں شامل کرلیا تھا

بہت سے مان ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ جن کی کرچیاں دل تک اتر گئی تھیں۔

✿ ✿ ✿

آبدار کو یقین نہیں آرہا تھا کہ امتحان میں اس کے اتنے اچھے مارکس آئے ہیں۔

دس بہترین طلبا کی فہرست میں اس کا نام بھی موجود تھا۔ یہ خوش خبری سب سے پہلے اسے اس کی کلاس فیلو نے سنائی اور پھر کنزہ نے فون کرکے رزلٹ کا بتایا۔ دل چاہ رہا تھا خوشی سے ناچ اٹھے۔ اس کے پاس حرا کھیل رہی تھی۔ اس نے حرا کو گود میں بھر کر بہت سا پیار کیا۔

"حرا! میں بہت خوش ہوں' بہت زیادہ۔" وہ اسے پکڑ کر گول گول چکر دینے لگی۔

خوشی کے مارے اسے خود پہ' اپنی حرکات پہ' اپنی آواز پہ کوئی قابو ہی نہیں رہا تھا۔ لگاتار زور زور سے چکر کھانے کی وجہ سے حرا تو گھبرا کر رونے لگی۔

یاور اس کے رونے کی آواز سن کر تیزی سے اندر آیا۔ آبدار اسے دونوں بازوؤں سے پکڑے گول گول گھما رہی تھی۔ اسے اب خود بھی چکر آنے لگے تھے۔ ہر چیز نگاہوں کے آگے چکرا رہی تھی۔ یاور آگے ہوا کہ اسے حرا کو لے سکے۔ جو گھبرا کر روئے جا رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟" وہ کڑک کر بولا۔ آبدار کے ہاتھ سے حرا کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ یاور سے ٹکرائی اور زمین بوس ہوگئی۔ حرا اس کے اوپر تھی۔ یاور نے حرا کو اٹھا لیا تھا۔

آبدار کے حواس ذرا دیر سے قابو میں آئے۔ کارپٹ پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا وہ قدرے شرمندہ سی تھی۔

"میں آپ سے اس پاگل پن کی وجہ پوچھ سکتا ہوں جو آپ سب کچھ بھول گئی ہیں۔"

"میرا رزلٹ آؤٹ ہوگیا ہے۔ میرے مارکس بہت اچھے ہیں۔" وہ کچھ دیر پہلے والی شرمندگی بھی بھول گئی تھی۔ وہ آنکھوں میں چمک لیے اسے بتا رہی

تھی۔

"میں بابا جان کو بھی بتادوں۔" ان ہی قدموں وہ بابا جان کی طرف بھاگ گئی۔

"تمہاری دلہن آنٹی بھی کمال ہیں۔" وہ سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

فاروق چوہدری اس کی خوشی میں خوش ہو رہے تھے۔ تیدار نے گھر کے ایک ایک فرد کو یہ خوش خبری سنائی۔ پھر حویلی میں کام کرنے والے ملازمین کی باری آئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک بندے کو پکڑ کر بتائے۔

"مارکس آپ نے بہت اچھے لیے ہیں۔ میں نے تو کچھ اور ہی سنا تھا کہ آپ کو پڑھائی وغیرہ سے دلچسپی نہیں ہے۔ پر آپ کے مارکس تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہے ہیں۔"

"آپ نے ٹھیک ہی سنا تھا۔ مجھے بہت دیر بعد عقل آئی۔ میں نے ٹھوکر کھا کر ہی سمجھا۔" تیدار ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس کا خوشی سے چمکتا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

اس اچانک تبدیلی کا راز یاور نہیں سمجھا تھا۔

فاروق چوہدری نے اس کی کامیابی کی خوشی میں گھر میں چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں بہت خاص لوگ ہی شریک تھے۔ اور ان خاص لوگوں میں کنزہ بھی شامل تھیں۔ انہیں فاروق چوہدری کا ڈرائیور لے کر آیا تھا۔ تیدار کی خوشی دوبالا ہو گئی تھی۔ وہ ان کے ساتھ جانا چاہتی تھی، پر کنزہ نے نرمی سے منع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"رزلٹ تو آپ کا آگیا ہے مارکس بھی بہت اچھے ہیں۔ اب مزید کیا ارادے ہیں آپ کے۔" وہ کنزہ کو ڈرائیور کے ساتھ بھجوا کر اندر آرہے تھے۔ چلتے چلتے یاور نے پوچھا۔

"میرے ارادے بھلا کیا ہونے تھے۔ تیرہ سال اپنی کم عقلی کی نذر کر دیے۔ اب جا کر عقل آئی ہے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں؟" اس نے سچائی سے بتایا۔

"آپ نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لینا کیا؟"

"میں بھلا کیسے ایڈمیشن لے سکتی ہوں۔"

"کیوں آپ کیوں نہیں لے سکتیں۔ کس نے آپ سے کہا ہے کہ آپ نہیں لے سکتیں۔"

"گاؤں میں کوئی یونیورسٹی تو نہیں ہے نا۔" اس نے جیسے یاور کی حماقت کا ماتم کیا۔

"مجھے بھی پتا ہے کہ گاؤں میں کوئی یونیورسٹی نہیں ہے مگر شہر میں تو ہے نا۔"

"میں شہر نہیں جا سکتی۔"

"کیوں؟"

"یہاں بچوں کو میری ضرورت ہے۔ میں نے ایڈمیشن لے لیا تو پڑھائی کو وقت دینا ہو گا اور میں ان سب پر توجہ نہیں دے سکوں گی۔ حرا اور تابش مجھ سے بہت زیادہ پیار کرنے لگے ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے کم وقت میں وہ میرے اتنے قریب آجائیں گے۔ بابا جان مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہنے لگے ہیں۔ پڑھائی کا کیا ہے عمر پڑی ہے۔ بس زندگی کی حقیقتیں بہت دیر سے کھلی ہیں مجھ پہ۔" یاور بہت غور سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"پر آپ کو شوق تو ہو گا کہ آپ نے مارکس اتنے اچھے لیے ہیں تو اچھی سی یونیورسٹی میں ایڈمیشن بھی لیں۔" وہ جانے کیا جاننا چاہ رہا تھا۔

"دل تو جانے کیا کیا چاہتا ہے۔" یہ فقرہ اس نے مکمل غائب دماغی کی حالت میں کہا تھا۔ یاور نے اسے بہت گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تب میں روز آپ کے پاس سویا کروں گی، کیسا؟" حرا اور تابش کے پاس اپنی خوشی کو ظاہر کرنے کے لیے معصوم اور بے ریا سی مسکراہٹ ہی تھی۔ دونوں اس سے لپٹ گئے تھے۔ "دلہن آنٹی پھر ہمیں ڈر نہیں لگے گا۔ بہت مزے کی نیند آئے گی پھر تو آپ ہمیں

کہانیاں بھی سنائیں گی نا؟"

"جی ہاں۔ مجھے بہت ساری کہانیاں آتی ہیں۔ میں روز سنایا کروں گی آپ کو۔ جب میں آپ جتنی تھی تو میرے پاس بہت ساری اسٹوریز بکس تھیں۔ وہ ساری کہانیاں مجھے ابھی تک یاد ہیں۔"

"آپ ہمیں رات کو ڈرایا کریں گی تو نہیں نا۔ گلا تو نہیں گھونٹیں گی نا!" تابش امید اور خوف کی ملی جلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں میری جان تم نے یہ کیسے سوچ لیا۔ تم اتنے پیارے ہو۔ کون تمہارا گلا گھونٹے گا۔ میں اتنی بری نہیں ہوں کہ آپ کا گلا گھونٹوں۔ میں تو آپ دونوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ بہت زیادہ کیونکہ میری طرح آپ کے پاپا بھی تو نہیں نا!"

تیدار نے تابش کو بے اختیار بانہوں میں بھر کر سینے سے لگا لیا تھا۔

"ہمیں تو مما بھی چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ وہ حرا کا اور میرا گلا گھونٹتی تھیں۔ ہمیں بہت زور دار لگتی تھیں۔ ایک بار انہوں نے مجھے آگ لگانے کی کوشش بھی کی تھی۔ پاپا جب نہیں ہوتے تھے نا تو وہ مجھے اور حرا کو کمرے میں بند کر دیتی تھیں۔" تابش کے گالوں پہ آنسو لڑھک آئے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو تابش؟" تیدار کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ "تم نے شاید کوئی مووی دیکھی ہے، ہے نا!"

اسے اس بچے کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا۔ شاید باپ کی وفات نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے جو اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔ "نہیں میں نے مووی نہیں دیکھی۔ میں سچ بول رہا ہوں۔"

"حرا! تم بھی تو دلہن آنٹی کو بتاؤ نا مما کا۔"

وہ اس کی بانہوں کا حصار توڑ کر کھلونوں سے کھیلتی حرا کی طرف بڑھا۔ پر اس کا دھیان ان دونوں کی طرف نہیں تھا۔ وہ بے نیازی سے بھائی کی طرف دیکھ کر دوسرا اپنی باربی ڈول کے بال ٹھیک کرنے لگی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ آؤ میں بھی آپ کے ساتھ کھیلتی ہوں۔" تابش کی روئی روئی آنکھیں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ وہ اس کا دھیان ہٹانا چاہتی تھی۔

"دلہن آنٹی میں کرکٹ کھیلوں گا۔ میں ڈولز کے ساتھ نہیں کھیلتا۔ میں اب بڑا ہو گیا ہوں اس لیے کرکٹ ہی کھیلوں گا۔"

"او اچھا جی بڑے میاں! آؤ باہر چلتے ہیں وہیں کھیلیں گے۔"

تیدار اس کا دھیان ہٹانے میں کامیاب رہی تھی۔ لیکن اپنے ہی دل میں وہ تابش کی کہی گئی باتیں ہی سوچ رہی تھی۔ شروع میں جب فاروق چوہدری عزہ کی رشتے کی بات کرنے آئے تھے اور بڑے ابا نے رحمہ چچی اور جلال چچا سے ذکر کیا تھا تب چچی نے بڑا شور مچایا تھا کہ میں اپنی عزہ کو پرائے بچوں کی آیا نہیں بناؤں گی۔ شروع میں وہ یہ ہی سمجھی تھی کہ شاید بچے اسی شخص کے ہیں جس کا رشتہ لگایا جا رہا ہے۔ بعد میں یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو گئی تھی۔ یہ سب کو ہی پتا تھا کہ بچوں کا باپ نہیں ہے۔ اس نے از خود فرض کر لیا تھا کہ ماں بھی فوت ہو گئی ہو گی۔ کبھی اس طرف اس کی سوچ گئی ہی نہیں تھی۔ کسی نے تابش اور حرا کی مما کا ذکر کیا ہی نہیں تھا جو وہ دھیان دیتی یا پوچھتی۔

تابش کیسی باتیں کر رہا تھا؟ اگر ان کی مما زندہ تھی تو کہاں تھی۔ اگر نہیں ہیں تو بھی کسی نے بتایا کیوں نہیں۔ اس کا ذہن اسی نکتے کے گرد گھوم رہا تھا۔ وہ تابش کے ساتھ کھیل تو رہی تھی مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔

☼ ☼ ☼

تیدار نے الماری سے اپنے سارے کپڑے نکال لیے تھے۔ اب وہ باتھ روم سے اپنی کچھ چیزیں اٹھا رہی تھی۔ یاور بغور اس کی سرگرمیاں ملاحظہ کر رہا تھا۔ ہینگ کیے ہوئے کپڑے وہ دونوں بازوؤں میں اٹھا کر باہر جا چکی تھی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ باقی رہ جانے والی چیزیں اٹھانے آئی۔ یاور اس کے پیچھے باہر تک آیا۔ وہ تابش اور حرا کے بیڈ روم کی طرف گئی تھی۔

"میں اپنے کپڑے لے آئی ہوں۔ اب میں آپ

کے پاس ہی رہوں گی۔"

"دلہن آنٹی! اپنے کپڑے اس الماری میں رکھ دیں۔" تابش نے دیوار گیر الماری کی طرف اشارہ کیا۔

"اوکے پارٹنر۔" وہ سعادت مندی سے اس کی ہدایات پہ عمل کرنے لگی۔ تابش بھی اس کی مدد کر رہا تھا۔

"لو جی ہمارا سامان سیٹ ہو گیا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے فرضی گرد جھاڑ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"اب کتنا مزہ آئے گا نا! آپ ہمارے پاس رہیں گی تو۔"

"ہاں مجھے بھی بہت مزہ آئے گا۔"

"دلہن آنٹی! چاچو کو ڈر تو نہیں لگے گا نا! اکیلے سوتے ہوئے؟" حرا کو اپنے چاچو کی فکر لاحق ہوئی۔

"نہیں حرا! ہمارے چاچو بہت بہادر ہیں۔ روز ایکسرسائز کرتے ہیں جم میں۔ وہ نہیں ڈرتے کسی سے۔" تابش نے اپنی معلومات جھاڑی تھی۔

"دلہن آنٹی! میں آپ کو کل چاچو کا جم دکھاؤں گا۔ اتنا بڑا ہے۔ میں بھی چاچو کے ساتھ جم میں ایکسرسائز کروں گا۔ پھر میرے مسلز بھی چاچو جیسے ہو جائیں گے اور پھر میں مماسے بھی نہیں ڈروں گا۔ وہ پھر بے شک مجھے ماریں۔"

بولتے بولتے تابش کی ذہنی رو پھر بھٹک گئی تھی۔ آبدار کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر خاموش ہو گئی۔ دونوں بچے تھے، ان سے پوچھنا مناسب نہیں تھا۔ "اور دلہن آنٹی! آپ بھی چاچو کے جم میں روز ویٹ لفٹنگ کرنا۔ آپ کے مسلز بھی چاچو جیسے ہو جائیں گے۔" آبدار کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ تابش نے بات ہی ایسی کی تھی۔

"لگتا ہے، آپ کو باڈی بلڈنگ سے بہت دلچسپی ہے۔" اس نے تابش کی ناک دونوں انگلیوں سے دبائی۔

"ہاں۔ میں بڑے ہو کر ورچاچو جیسا بنوں گا مسٹر پاکستان بنوں گا۔ چاچو کے پاس اتنے کپ اور ٹرافیاں ہیں۔"

"وہ اچھا اچھا۔ اب تو چاچو نامہ بند کرو۔" آبدار مسلسل اس کا ذکر سن کر بور ہو گئی تھی۔

"او۔ میں کہانی شروع کروں۔" دونوں اس کے قریب کھسک آئے۔ آبدار کہانی سنا رہی تھی اور وہ پوری طرح اس میں کھوئے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

حرا کا سر اس کی گود میں دھرا تھا۔ تابش کا بازو آبدار کے کندھے کے گرد حمائل تھا۔ وہ خود نیم دراز پوزیشن میں تھی۔ وہ دونوں کو اپنی بچپن کی شرارتوں کے قصے سنا رہی تھی۔ یاور بے آواز طریقے سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ تینوں گپ شپ میں مگن تھے۔

"او تو آپ یہاں مشغول ہو گئی ہیں۔"

یاور کے اس طرح دبے قدموں اندر آ کر اچانک بولنے سے وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"چاچو! آپ ادھر آ جائیں ہمارے پاس۔" تابش خوش ہو گیا تھا۔ یاور بھی ان تینوں کے پاس بیٹھ گیا۔ آبدار نے ٹانگیں سمیٹ لی تھیں۔ اس کی موجودگی میں وہ کانشس ہو رہی تھی۔

"میرا بیڈ روم آپ کو پسند نہیں آیا کیا؟" اس نے بہت آہستگی سے پوچھا۔ تابش اور حرا سن نہیں پائے تھے۔

"وہ آپ کا بیڈ روم تھا۔ میری وجہ سے آپ بے آرام ہو رہے تھے۔"

"آپ بے آرام ہو رہی تھیں کہ میں؟" یاور کے سوال پہ اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"بولو جواب دو۔" اس نے ان دونوں کی موجودگی کا خیال کیے بغیر آبدار کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"سنو میں ویٹ کروں گا۔ آؤ گی نا؟" یاور کا لہجہ سرگوشی میں ڈھل گیا تھا۔ آبدار کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"اوکے حرا اور تابش گڈ نائٹ۔" اس نے باری باری دونوں کا ماتھا چوما۔

"آپ کیوں ڈر رہی ہیں۔ آپ کو تو میں گڈ نائٹ

نہیں کہنے والا۔" وہ مخصوص جان لیوا انداز میں ہنسا۔ آبدار نے دروازہ لاک کر دیا۔

تابش اور حرا کہانی سننے کے بعد سو گئے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک اور سوئیوں کی حرکت وقت گزرنے کا احساس دلا رہی تھی۔ اسے اپنے نیند کی آغوش میں جانے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

☼ ☼ ☼

آبدار حرا کے لمبے چمک دار سلکی بالوں کی پونیاں بنا رہی تھی۔ جب یاور نے اس کے ہاتھ سے برش لیا۔

"حرا! آپ باہر جا کر کھیلو۔ مجھے ان سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔" آبدار نے مضبوطی سے حرا کو پکڑ لیا تھا۔ وہ اسے باہر جانے نہیں دے رہی تھی اور یاور اسے یہاں سے جانے کا کہہ رہا تھا۔ بچی عجیب مشکل میں گرفتار تھی۔

"آپ نے جو باتیں کرنی ہیں، ادھر ہی کر لیں، حرا باہر نہیں جائے گی۔" آبدار اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

"میں حرا کے ساتھ بزی ہوں۔" اس نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"سوچ لیں آپ ہی کے فائدے کی بات ہے۔" اس نے کچھ دیر سوچا۔ حرا اس کا ہاتھ جھٹک کر اچھلتی کودتی چلی گئی تھی۔

"جی بولیں۔"

"یہ میں آپ کے لیے ایڈمیشن فارم لایا ہوں۔"

"مشترکہ کی کیا ضرورت ہے۔ میں یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لے سکتی۔ آپ کو اس دن بھی بتایا تھا میں نے۔" یاور خاموش ہو کر سوچنے لگا تھا کچھ۔ "آپ کی مرضی ہے، میں تو کچھ سوچ کر ہی لایا تھا خیر اس اوکے بابا جان کہہ رہے تھے کہ آپ کو کنزہ آنٹی سے ملا لاؤں۔"

"واقعی!" وہ خوش ہو گئی۔

"جی ہاں۔ آپ کو جانا ہے تو تیاری کر لیں۔"

"ٹھیک ہے میں بابا جان اور امی جان کو بتا دوں پہلے۔" اب اس کے ذہن سے ہر چیز نکل گئی تھی۔ یاد تھا تو صرف یہی کہ اسے مما سے ملنے جانا ہے۔

☼ ☼ ☼

کنزہ ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گئی تھیں بظاہر مگر اندر سے پریشان تھیں۔ انہیں احساس تھا کہ آبدار کی رخصتی سے کسی کو خوشی نہیں ہوئی ہے۔ بہت سارے تلخ حقائق سے انہیں آگاہی ملی تھی۔ اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ آبدار یہاں آئے۔ بڑے ابا کے وکیل کے پس پشت درانہ اسرار و رموز سے آگاہی کی خاطر ایک جونیئر وکیل کام کرتے تھے۔ کنزہ ایک بار بڑے ابا کے ساتھ ان کے آفس گئی تھیں تو وہاں ان سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ وہی جونیئر وکیل بازار میں اتفاقاً شاپنگ کرتے ہوئے مل گئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیگم تھیں۔ وکیل صاحب کنزہ کو پہچان گئے تھے۔ انہوں نے بڑے ابا کی وصیت کے بارے میں چند باتیں چلتے چلتے کیں۔ پھر اپنا فون نمبر دیا۔ کنزہ گھر آ گئیں۔ اسی دن واپس آ کر انہوں نے وکیل صاحب کا نمبر ڈائل کر دیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ کنزہ بیگم بہت خوش حال زندگی بسر کر رہی ہوں گی۔ بڑے ابا کے وکیل نے عاشر احمد کے ساتھ مل جل کر ان کی وصیت میں جو گڑبڑ کی تھی۔ وہ ان جونیئر وکیل کے علم میں تھی۔ لیکن وہ اس حد تک گر جائیں گے یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ عاشر احمد نے کچھ سادہ کاغذات پہ کنزہ بیگم سے جھوٹ بول کر دستخط لیے تھے۔ ایک اسٹامپ پیپر پہ بھی انہوں نے یہی عمل دہرایا تھا۔

اب حالت یہ تھی کہ بڑے ابا نے وصیت کی کہ وہ کنزہ ہے۔ جس جائیداد کا حق دار بنایا تھا وہ عاشر احمد کی ہو گئی تھی۔ پاور آف اٹارنی تک ان کے نام تھی۔ کنزہ کی سادہ لوحی سے عاشر احمد سمیت یاسر اور جلال نے بھی بھرپور فائدہ حاصل کیا تھا۔ آبدار کو مکان بڑے ابا نے گفٹ کیا تھا اس کا کہیں کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔

یہ ساری باتیں کنزہ کو اس جونیئر وکیل سے پتا چلی

تھیں۔ اس نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ آپ اپنے شوہر کے بھائیوں پہ فراڈ اور دھوکہ دہی کا مقدمہ دائر کر دیں۔ انہوں نے یہ مشورہ سن کر کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔ جو لوگ اس حد تک جا سکتے تھے ان سے کوئی بھی توقع کی جا سکتی تھی۔ وہ آبدار کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼
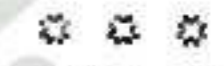
آبدار کے میکے میں یاور کی خوب آؤ بھگت ہوئی تھی۔ عاشر احمد اس کے خیالات جان کر بے حد متاثر ہوئے۔ وہ فوراً سب سے ملا۔ جلال احمد اور یاسر احمد سے اس کی گفتگو بزنس اور زمینوں تک ہی محدود رہی۔ ان دونوں کو اس موضوع سے دلچسپی تھی، مگر یاور بوریت محسوس کرنے لگا تھا۔

آبدار اس کے ساتھ عاشر احمد کے پورشن تک آئی۔ اعتماد سے اٹھی گردن اور چمکتی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ پہلے والی آبدار ہرگز نہیں ہے۔ باسط غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عمارہ یہاں نہیں تھی اور وہ اس کی غیر حاضری کا بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔ اس وقت یاور، باسط کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"اور آبدار! اب تو تمہارا نشانہ بالکل پکا ہو گیا ہوگا نا؟" درمیان میں یاور سے بات کرتے کرتے باسط آبدار کو مخاطب کر بیٹھا تو ایک ثانیے کے لیے وہ ڈر سی گئی، پر دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"مجھے اب یہ شوق نہیں رہا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"یہ نشانہ پکا کرنے کا کیا سلسلہ ہے، میں پہلے بھی سن چکا ہوں اس بارے میں؟" یاور کی یادداشت بہت اچھی تھی، اسے یاد تھا کہ آبدار کی تائی اور دوریشہ نے اس حوالے سے ایک بات کی تھی۔ اس بات کی تلخی ابھی تک اسے محسوس ہوتی تھی۔

"یاور! تمہیں نہیں پتا تمہاری بیگم کو عجیب عجیب کام کرنے کے شوق ہیں۔" باسط بڑی بے تکلفی سے یاور سے بولا۔ باسط جانے کیا کہہ دے، وہ ڈر رہی تھی۔

عائلہ تائی کھانے کے لیے بلانے آئیں تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

☼ ☼ ☼

کنزہ سونے جا چکی تھیں۔ یاور آبدار کے کمرے کو دیکھ رہا تھا جو سادگی اور خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ کنزہ نے فرنیچر کی ترتیب نہیں چھیڑی تھی۔ کنزہ خود صفائی کرتی تھیں، اس لیے ہر چیز صاف ستھری تھی۔

آبدار صرف ایک رات کے لیے آئی تھی۔ کنزہ نے خاصا لمبا لیکچر دیا تھا کہ اب اپنے سسرال میں دل لگاؤ۔ یہاں روز روز آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سر ہلاتی رہی تھی۔ ابھی باسط بھائی کی باتوں اور نگاہوں نے اسے باور کرا دیا تھا کہ ممّا کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہی ہیں۔ باسط کی نگاہوں اور دل میں میل تھا۔ یاور کھٹک بھی سکتا تھا۔ ممّا ان دونوں کو آرام کرنے کا کہہ کر خود چلی گئی تھیں۔ یاور اس کے بیڈ پہ پھیل کے لیٹا ہوا تھا۔

"تو یہ ہے آپ کا کمرہ جہاں شادی سے پہلے شب و روز آپ نے گزارے۔"

"جی ہاں یہی ہے میرا کمرہ۔" وہ مختصراً جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

"لگتا ہے آپ کا ارادہ جاگ کر رات گزارنے کا ہے، جب ہی تو یوں اتنی دور بیٹھی ہیں۔" اس نے آبدار پہ چوٹ کی۔

"آپ سوئیں۔ میں کسی اور کمرے میں سو جاتی ہوں۔" وہ جوتے پاؤں میں ڈال کر باہر جانے لگی تھی کہ یاور اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"اپنا اور میرا تماشا بنانے کا ارادہ ہے۔ میں کنزہ آنٹی کی اپنی امی جان کی طرح عزت کرتا ہوں۔ آپ کے اس عمل سے جانے وہ کیا سمجھیں۔"

یاور کی بات واقعی ٹھیک تھی۔ آبدار دوسرا تکیہ اٹھا کر صوفے پہ آ گئی تھی۔ یاور اگلے آدھے گھنٹے میں سو چکا تھا۔ پر آبدار کو نیند نہیں آ رہی تھی۔

اسے اچھی طرح احساس تھا کہ یاور چوہدری اس کے ساتھ "بلی چوہے" کا کھیل کھیل رہا ہے۔ وہ پہلے اپنے شکار کو اچھی طرح نڈھال اور بے دست و پا کر کے ساری طاقت چھین لینا چاہتا تھا اور آبدار کو ابھی اپنی تمام توانائیاں محفوظ کر کے رکھنی تھیں۔

☼ ☼ ☼

بہت دن بعد یاور کی پری گل سے ملاقات ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق وہ سرینہ ہوٹل میں ملے تھے۔ پری گل کی طرف سے اس ملاقات کے لیے بہت اصرار تھا۔

بیرے کو آرڈر نوٹ کروا کے وہ پری گل کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اداس اور پہلے کے مقابلے میں کمزور لگ رہی تھی۔

"کیا حال بنایا ہے تم نے اپنا۔ فاقے کر رہی ہو کیا؟" یاور نے جان کر ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔

"زندگی مجھے بہت مشکل لگنے لگی یاور! ایک ایک کر کے خواب ٹوٹ گئے ہیں۔"

"تو کیا اپنے خوابوں کی تباہی کا ذمہ دار تم مجھے سمجھ رہی ہو؟"

"تم اتنی جلدی شادی کر لو گے، مجھے یقین ہی نہیں آتا یاور! میں نے تمہاری ہمراہی کے کتنے خواب دیکھے تھے۔ تم نے سب کتنی آسانی سے کسی دوسری عورت کی جھولی میں ڈال دیے۔"

"پری گل! میری پوزیشن تمہارے سامنے تھی۔ خواب میری وجہ سے نہیں ٹوٹے، بلکہ تمہاری ضد اور بے جا ہٹ دھرمی کی وجہ سے ٹوٹے ہیں۔ میں نے تمام حالات تمہیں بتائے اور بار بار کہا کہ اپنے فیصلے پہ نظرثانی کر لو، مگر تمہاری ایک ہی رٹ تھی کہ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ آخر مجھے بابا جان کے سامنے ہار ماننا پڑی۔" یاور نے تصویر کا دوسرا رخ اس کے سامنے رکھا تو وہ نظر چرا گئی۔

"یاور! چھوڑو پرانی باتوں کو، کوئی فائدہ نہیں دہرانے کا۔ ہم میں سب کچھ پہلے جیسا بھی تو ہو سکتا ہے نا؟"

"سب کچھ پہلے جیسا کیسے ہوگا پری گل! وقت گزر چکا ہے۔" ایک دم تھکن اس کے لہجے میں در آئی تھی۔

وہ اس کی بچکانہ بات پہ تلخ سی ہنسی ہنسنے لگا۔

"ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔

"یاور! تم نے کہا تھا نا کہ تمہیں گاؤں میں رہنا ہوگا۔ مکمل طور پہ ایک جاگیردار گھرانے کی بہو بن کر تو میں تیار ہوں۔ تم جب بھی کہو میں ڈیڈی کو راضی کر لوں گی۔ بس تم اپنے بابا جان کو لے کر آ جاؤ۔ میں بہت سا خوب صورت وقت پہلے ہی اپنی حماقت کی وجہ سے ضائع کر چکی ہوں، اب اور نہیں کر سکتی۔"

یاور نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"یاور! یہ سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ وہ تمہاری بانہوں میں ہوگی۔ تمہاری تنہائیوں، تمہاری قربتوں، تمہاری خلوتوں میں شریک ہوگی، تمہارا یہ فراخ سینہ جس پہ میں نے سر رکھ کر سونے کے خواب دیکھے تھے، وہ اب یہاں سوتی ہوگی، اس کے لب تنہائیوں میں بہت سی ان کہی کہانیاں رقم کرتے ہوں گے، میں سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگتی ہوں۔ میرے دن رات عذاب میں کٹتے ہیں۔ نہ جیتی ہوں، نہ مرتی ہوں یاور! تمہیں پتا تو تھا کہ میں تمہیں کسی کے ساتھ بھی شیئر نہیں کر سکتی، پھر کیوں کیا تم نے ایسا، بولو جواب دو۔"

پری گل بالکل جنونی ہو رہی تھی۔ آس پاس کے لوگ انہیں دیکھنے لگ گئے تھے۔

"پری گل! گھر جاؤ، شاباش، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں بعد میں گھر آؤں گا، اوکے۔" اس نے بمشکل تمام سمجھا کر پری گل کو وہاں سے اٹھایا۔ وہ زور زور سے رونے لگی تھی۔ یاور نے بمشکل خود کو کمپوز کیا تھا۔ پری گل کی حماقت نے تماشا بنوانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

فاروق بخت دونوں ہاتھ باندھے اضطراری انداز میں کمرے میں چکر لگا رہے تھے۔ تابش سہما سا ادھر ہی بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی روبی بیگم کی کال آئی تھی۔

اتفاق کی بات تھی کہ تابش بھی ان کے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا۔ روبی نے تابش سے بات کرانے کا مطالبہ کیا۔ فاروق چودھری نے اشارے سے تابش کو پاس بلا کر ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ وہ خاموشی سے دوسری سمت سے آنے والی آوازیں سنتا رہا۔ ایک دم اس کے معصوم چہرے پہ خوف کے سائے رقص کرنے لگے تھے۔ پھر اس نے فون چودھری صاحب کو دے دیا۔ حالانکہ روبی بیگم نے صرف خیر خیریت ہی پوچھی تھی۔ اس کے بعد تابش صوفے پہ جا کر بیٹھ گیا تھا۔ فون اس نے بند نہیں کیا تھا۔

"چودھری صاحب! میں اپنے بچوں کو لے کر جاؤں گی۔ میرے بچے میرے سپرد کر دیں خاص طور پہ میری حرا کو۔" اس کے لہجے میں بدتمیزی کا عنصر پہلے سے بھی زیادہ تھا۔

"بچوں کو بھول جاؤ — وہ ہمارے پاس ہیں اور ہمارے پاس ہی رہیں گے۔ آئندہ فون مت کرنا۔ ہم بڑی مشکل سے سنبھلے ہیں۔"

فاروق چودھری کا لہجہ غیظ و غضب سے کانپ رہا تھا۔ آبدار تابش کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹی وی لاؤنج میں وہ سہما سہما بیٹھا تھا۔ آبدار کی نظر فاروق چودھری پہ نہیں پڑی تھی۔ وہ قدرے اوٹ میں تھے۔ وہ تابش کے قریب آئی تب ان کی آواز کان میں پڑی۔ وہ فون پہ کسی سے بات کر رہے تھے۔

"چودھری صاحب! آپ نے میرے بچوں کے دل و دماغ میں میرے حوالے سے نفرت و حقارت کا جو زہر بھرا ہے وہ میں کبھی نہیں بھولوں گی نہ معاف کروں گی۔ نگینہ بیگم کی بیٹی ہوں میں بھی۔ جس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔"

"چپ ہو جاؤ۔ ہماری رسوائیوں کا خراج تم خاب چودھری کی موت کی صورت میں وصول کر چکی ہو اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہماری زندگیوں سے نکل جاؤ اور زہر گھولنا چھوڑ دو۔"

فاروق چودھری نے ریسیور کریڈل پہ تقریباً "پٹخنے" کے انداز میں رکھا تھا۔ اور وہیں پاس رکھی کرسی پہ گر سے گئے تھے۔

"بابا جان! کیا ہوا ہے۔ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں۔ کس کی کال تھی؟" آبدار نے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر انہیں دیا۔

فاروق چودھری کے چہرے پہ غصے کی سرخی تھی۔ پانی کا گلاس انہوں نے ایک سانس میں پی لیا۔ انہوں نے خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔ آبدار ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اس نے پانی کا گلاس لے کر رکھا۔ تابش کے خوف اور فاروق چودھری کے شدید غصے کے پیچھے یقیناً "اسی کال کا ہاتھ تھا۔" یہ آبدار کا اندازہ تھا۔

"آبدار بیٹی! تابش کو یہاں سے لے جاؤ۔" انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی تابش کو باہر جھولوں کی طرف لے آئی۔

"تابش! حرا کہاں ہے؟" تابش سے اس نے پوچھا۔

"دلہن آنٹی اور چاچو کے ساتھ تھی۔"

"تمہارے چاچو کہاں ہیں؟" اس نے بہت آہستگی سے پوچھا۔

"چاچو اپنے جم میں ہوں گے۔"

"آؤ ڈھونڈیں حرا کو جانے وہ کہاں ہے۔ اتنی دیر سے نظر نہیں آ رہی ہے۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں چاچو کے جم میں آپ بھی میرے ساتھ آئیں۔"

"او کے آؤ۔" آبدار نے تابش کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حویلی کے اس حصے کی طرف وہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی اور نہ کبھی اندر سے دیکھا تھا۔ ویسے بھی درختوں کی جھنڈ میں یہ حصہ چھپا ہوا تھا۔

تابش کی ہمراہی میں اس نے دروازے سے اندر قدم رکھا۔ تیز میوزک کے شور نے ان کا استقبال کیا۔ یاور دیوار میں نصب مشینوں کے ساتھ مخصوص قسم کی ایکسرسائز میں مصروف تھا۔ ہلکی سی بنیان اور ٹراؤزر میں ملبوس اس کا کسرتی جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ آبدار نے تو ایک بار دیکھنے کے بعد نظر ہٹالی تھی۔

"اصل میں میں نے حرا کو کافی دیر سے نہیں دیکھا ہے۔ سارے گھر میں ڈھونڈا ہے وہ کہیں نہیں ہے۔" لگ رہا تھا وہ ابھی رو دے گی۔

"آپ نے میرے بیڈ روم میں دیکھا — تو وہ میرے ساتھ باتیں کرتے کرتے ادھر ہی سو گئی تھی۔ اور آپ ہر بات پہ پریشان نہ ہو جایا کریں۔ اچھا خاصا انسان بے ایمان ہونے لگتا ہے۔"

آخری جملہ تابش کی موجودگی کی وجہ سے اس نے بہت آہستگی سے بولا گیا۔ آبدار مزید وہاں نہیں رکی اور سیدھا اس کے بیڈ روم میں آ کر جھانکا۔ حرا واقعی ادھر ہی سو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اسے اٹھانے لگی۔

حرا کے اوپر جھکی ہوئی تھی کہ ایک دم سیدھی ہو گئی۔ یاور وارڈ روب سے کپڑے نکالنے آیا تھا۔ حرا آنکھیں ملتی ہوا خود اٹھ بیٹھی۔ آبدار کو اپنی موجودگی یہاں فضول لگ رہی تھی۔ یاور سیٹی پہ جانی پہچانی دھن گنگنا رہا تھا۔

چلے تھے ساتھ مل کے چلیں گے ساتھ مل کر

نغمے کے [illegible] حصے میں اسے کچھ یاد آیا تھا۔ ابوبکر کا اس کے کمرے میں آ کے ہنسی مذاق باتیں۔ آبدار کی اپنی میوزک کلیکشن دکھانا "اسے اپنائیت کا مانوس سا احساس۔ سب کچھ ہی تو اسے یاد آ گیا تھا۔

"کیا خیال ہے؟ میری آواز سن کے رک جائیں گی۔" وہ جان لیوا مذاق کر رہا تھا۔ اس سوال میں چھپے تمسخر و چیلنج اچھی طرح اس نے محسوس کیا تھا۔ اسے پتہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"دلہن آنٹی دلہن آنٹی! آپ کو یاور چاچو بلا رہے ہیں۔" تابش جانے کہاں سے بھاگتا ہوا آیا تھا۔ سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔

"وہ کہاں ہیں وہ اور کیوں بلا رہے ہیں۔" وہ اوپری منزل پہ گیلری میں کھڑی تھی۔

"اپنے روم میں ہیں جلدی آئیں۔" تابش جتنی تیزی سے آیا تھا اتنی ہی تیزی سے واپس بھی چلا گیا۔ آبدار اس کی پھرتی پہ حیران رہ گئی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ جانے اس نے کیوں بلوایا تھا۔ بغیر کسی کام یا غرض کے تو وہ اسے مخاطب بھی نہیں کرتا تھا۔

یاور بندوق کی نال کھول کر کچھ چیک کر رہا تھا۔ ایک جدید ریوالور اور شاٹ گن اس کے سامنے تپائی پہ دھری تھی۔

"آپ نے بلوایا؟" وہ اس کے سامنے پڑے ہتھیاروں کو ناقدانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"جی ہاں میں نے ہی بلوایا ہے ذرا یہ سامنے پڑا ریوالور تو دیں مجھے بلکہ نہ دیں۔ اس کا چیمبر کھول کر چیک کریں کہ کتنی گولیاں پڑی ہیں۔"

"مجھے تو نہیں پتا کہ کتنی گولیاں پڑی ہیں۔" وہ بیچ بیچ خوف زدہ ہو گئی تھی یہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ تابش بھی بھاگ گیا تھا اور یاور نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"آپ کو کیوں نہیں پتا کہ کتنی گولیاں پڑی ہیں۔ نشانہ بازی کی مشق تو آپ کرتی ہیں۔ یہ نہیں پتا آپ کو۔"

"بس اتنی خاص مشق نہیں کی تھی۔" اس کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔

"پھر تو آپ کو ریوالور چلانا بھی نہیں آتا ہو گا۔"

"نن۔ نن۔ نہیں۔" اس نے بوکھلاہٹ میں نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں سکھا دیتا ہوں یہاں تو آئیں۔" وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی یاور خود اس کے پاس آ گیا۔

"یہ لیں پکڑیں اسے۔ مضبوطی سے پکڑیں ڈرنا ہے نہیں۔" یاور نے زبردستی اس کے ہاتھ میں سیاہ جدید طرز کا مہلک ہتھیار تھمایا تو اس کے کانپتے ہاتھوں سے چھوٹ کر وہ کارپٹ پہ گر گیا۔

"آپ کے ہاتھوں میں تو جان ہی نہیں ہے۔" یاور زمین پہ جھکا ریوالور اٹھا کر سیدھا ہوا اور دوبارہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"آبدار صاحب! اس پہ سائلنسر لگا ہے گولی کی آواز نہیں آئے گی۔ ٹرائیگر پہ انگلی رکھیں۔" یاور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آبدار کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"میں کل شکار پہ جا رہا ہوں۔ آپ کو بھی لے کر جاؤں گا اور یہ آپ کے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں۔ اتنا ڈر رہی ہیں آپ۔"

یاور کے ہاتھوں میں دبا اس کا دایاں ہاتھ پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ کی پشت پہ جیسے کسی نے دہکتا انگارہ دھرا تھا۔ یاور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ یہی عمل دہراتا آبدار نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی۔

"میں شکار پہ نہیں جا رہی اور آپ... آپ اٹھائیں یہ چیزیں یہاں سے۔ مجھے نہیں دلچسپی ان سے۔"

"آپ کو نہیں ہے۔ حیرت ہے۔ لیکن مجھے ہے۔ آپ کو دلچسپی لینا ہوگی۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"یہ ڈبل بیرل شاٹ گن تو اٹھائیں۔" اس کا مزاج مکمل طور پہ حاکمانہ تھا۔

"مجھ سے نہیں اٹھائی جاتی" وہ رو دینے کو تھی۔

"میں اٹھا دیتا ہوں۔ چلانے کا طریقہ بھی بتاتا ہوں۔" وہ اس کی پشت پہ کھڑا تھا۔

آبدار اس کی گرفت میں آئی تھی۔ کوئی جانا پہچانا منظر نگاہوں کے سامنے سے گزرا تھا۔

"نہیں... نہیں۔" اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑی اور گن نکل کر نیچے گر گئی شکر کہ اس کے پاؤں پہ نہیں گری۔

"کیا نہیں... نہیں۔" یاور نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ اس نے آبدار کو زبردستی اپنی طرف موڑا تھا۔

"مجھے جانے دیں، میں نہیں سیکھتی۔" یاور کی قربت اسے خائف کر رہی تھی۔

"کیوں جانے دوں۔ برا لگ رہا ہے۔" اس کے الفاظ سرگوشی بن گئے۔

"میرا مطلب ہے کہ اگر آپ نہیں سیکھنا چاہتیں تو ٹھیک ہے۔" وہ بھی ایک کائیاں تھا۔ فوراً پینترا بدلا۔

"آپ جا سکتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیے گا کہ کل آپ کو ہر صورت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ مضبوطی سے بولی۔

"کیوں؟"

"تاکہ آپ یوں آرام سے مجھے مار سکیں۔ ریوالور پہ سائلنسر لگا ہے۔ کسی کو آواز بھی نہیں جائے گی۔ آپ گھر آکر کوئی بہانا بنا دیں گے۔ آپ بار بار مجھے گن اور ریوالور پکڑا رہے ہیں۔ اب گن پہ میرے فنگر پرنٹس آگئے ہیں۔ آپ تو صاف بچ جائیں گے مجھے مار کر۔"

آبدار نے بڑے آرام سے پورا منصوبہ بتا دیا تھا۔

یاور نے زبردست قسم کی حیرت کو چھپایا۔

"ویری گڈ! آپ تو بہت زیادہ اسمارٹ ہیں۔ لیکن آپ کو ایسے نہیں ماروں گا اتنی آسانی سے نہیں۔"

"وہ تو مجھے پتا ہے کہ آپ مجھے اتنی آسانی سے نہیں ماریں گے۔ آپ کی ذہنیت ہی اذیت پسند ہے۔" آبدار کی بدگمانی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ کر رہ گیا۔

"میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں۔ آج تک بابا جان کو آپ کے رویے کا نہیں بتایا مگر مزید ناانصافی برداشت نہیں کروں گی۔"

"ایک بات یاد رکھیے گا بابا جان کو بتا دیں یا کسی اور کو۔ میں آپ کو چھوڑوں گا پھر بھی نہیں۔" یاور نے بڑے زور سے اس کے بالوں کی جھولتی لٹ کھینچی تھی۔ وہ سی کر کے رہ گئی۔

"چھوڑیں مجھے۔"

"آپ تو کمزور نہیں ہیں۔ چھڑا لیں۔" آبدار کا نازک وجود اس کی گرفت میں مچل گیا۔

یاور کی پُرسحر قربت سے رہائی اتنی آسان نہیں تھی۔ لیکن اس نے اپنے حواس کو بھٹکنے نہیں دیا اور اس کا گھیرا توڑ دیا۔

"کیا کروں، آپ حرا اور تابش کے بیڈ روم میں چھپ کے بیٹھ گئی ہیں۔"

باہر نکلتے نکلتے اس نے پیچھے سے یاور کا شرارتی جملہ سنا۔ مگر دوبارہ پیچھے پلٹنے کی حماقت نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

چٹ کی آواز کے ساتھ کمرا روشن ہو گیا۔ اور روشنی میں سب کچھ واضح ہو گیا۔ تابش حرا اور آبدار تینوں سو رہے تھے۔ اس نے لائٹ جلائی کوئی بیدار نہیں ہوا۔ لگتا تھا کہ گہری نیند میں ہیں۔ یاور کھڑے ہو کر کچھ دیر دیکھتا رہا۔ اس کی بے ایمانی پہ وہ سنگ سا گیا۔

اب یہاں پہ سونے کی جگہ تو نہیں تھی۔ صوفے پہ سونے کا وہ عادی نہیں تھا۔ ناک بھوں چڑھایا اور یاور اپنے کمرے میں آگیا۔

آبدار نے اس کے جانے کے بعد سکون کا سانس لیا۔ اسے نیند کہاں آئی تھی۔ کب سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس کے آنے پہ وہ سوتی بن گئی تھی۔ شکر تھا کہ یاور نے زیادہ غور نہیں کیا تھا ورنہ اس کی پلکوں کا لرزنا ضرور یاور کے علم آجاتا۔

یاور سے پہلے اس کی زندگی میں صرف ابوبکر آیا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی مضبوط رشتہ تعلق بننے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔ اس تعلق کے ٹوٹنے کا اسے دکھ بھی ہوا تھا۔ لیکن اپنی بدنامی کا دکھ ناحق الزام تراشی کا دکھ اس دکھ پہ حاوی ہو گیا تھا۔ یاور کے ساتھ عجیب حالات میں شادی ہوئی تھی۔ اور یاور کے رویے نے اسے اپنی بے توقیری کا احساس دلا دیا تھا۔ اس نے دل میں امیدوں کو جگہ نہیں دی تھی نہ خوش فہمیوں کی بارش میں بھیگی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک نرم و نازک جذبات رکھنے والی لڑکی بھی تو تھی۔ یاور کی شخصیت چھا جانے والی تھی۔ اسے دل پہ حکمرانی کرنے کا ہنر آتا تھا۔ آبدار کو خبر بھی نہیں ہوئی تھی اور وہ دل پہ قابض ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فاروق چودھری کی طبیعت یک دم بگڑ گئی تھی اور اس کے پیچھے روبی بیگم کا ہاتھ تھا۔ اس نے فون کر کے براہ راست دھمکیاں دی تھی۔

"وہ یہ سب سن کر برداشت نہیں کر پائے تھے۔ ان کے تو اعصاب جواب دے گئے تھے۔ یاور انہیں شہر کے ہسپتال لے آیا تھا۔ آبدار نے بھی چلنے کی ضد کی تھی۔ پر یاور نے اسے گھر میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ وہ سوائے رونے کے اور دعا کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ فون کر کے فاروق چودھری کی خیریت کا پوچھ رہی تھی۔ یاور نے جھنجلا کر سیل ہی آف کر دیا۔ فاروق چودھری کو شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ وہ خود بہت اپ سیٹ تھا۔

اوپر سے فون پہ آبدار کی روتی پریشان آواز سن کر اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ تابش اور حرا کی الگ ٹینشن تھی۔ اس نے حویلی کے تمام ملازموں کو الرٹ رہنے کو کہا تھا۔ ان کی ذرا سی غفلت اسے بہت بڑے نقصان سے دوچار کر سکتی تھی۔ ادھر بابا جان اکیلے تھے۔ ان کے پاس بھی کسی نہ کسی کا ہونا ضروری تھا۔

☆ ☆ ☆

دو دن بعد اپنے قابلِ اعتماد ملازم منیر کو بابا جان کے پاس چھوڑ کر خود حویلی آیا۔

آبدار اس کے آتے ہی صورت حال جاننے بابا جان کی طبیعت کا پوچھنے بھاگتی آئی۔ وہ اس وقت بھی ازحد پریشان تھی۔

"بابا جان کی طبیعت کیسی ہے؟ وہ ٹھیک تو ہیں نا؟ پاس کون ہے ان کے؟" ایک سانس میں اکٹھے کتنے سوال اس نے پوچھ ڈالے تھے۔

"بابا جان پہلے سے بہتر ہیں اور آپ کے لیے پیغام دیا ہے کہ آپ پریشان مت ہوں وہ جلد آئیں گے اور ان کے پاس خاندان کے اور لوگ موجود ہیں وہ اکیلے نہیں ہیں۔"

اس نے بے حد رسان سے جواب دیا۔
"آپ دوبارہ کب جائیں گے؟" وہ امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"میں تین چار گھنٹے بعد دوبارہ جاؤں گا آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔"
"اگر آپ اپنے ساتھ مجھے بھی لے جائیں تو....؟"
"نہیں آپ گھر پہ ہی رہیں تابش اور حرا کا خیال رکھیں۔ وہ بھی اکیلے ہیں۔ مگر کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ میرے کپڑے نکلوا دیں کسی ملازم سے کہہ کر۔ میں جب تک امی جان کو دیکھ لوں۔"
تیدار نے اس کے کپڑے نکال کر اسے پکڑوائے۔
"یہ روبی بیگم کون ہیں؟ اس دن بھی ان کی کال آئی تھی تو بابا جان بہت غصے میں تھے اور اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" یاور اس کے منہ سے "روبی" کا نام سن کر ٹھٹک گیا۔ اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔
"آپ بات کریں مجھے جلدی نہیں ہے۔" یاور نے کپڑے ادھر ہی رکھ دیے تھے۔
"آپ پہلے ہی بہت پریشان ہیں' یہ بات شاید آپ کی پریشانی میں اور اضافہ کرے۔"
"آپ فکر نہ کریں میری پریشانی کی اپنی بات کریں۔" اس کے غیر معمولی انداز سے لگ رہا تھا کہ ضروری بات ہی ہے۔
"اصل میں تابش کی طرف سے میں کچھ اپ سیٹ ہوں۔ وہ اپنی مما کا ذکر کرتا ہے۔ بعض اوقات رونے لگتا ہے ان کی مار پیٹ اور تشدد کا ذکر کرتا ہے اور بھی کچھ باتیں ہیں۔ میں لاعلم ہوں۔ تابش اور حرا کی مما کہاں ہیں؟"
"وہ ادھر ہی ہیں اور زندہ ہیں۔" یاور آہستگی سے بولا۔ اس کے لہجے میں تھکن در آئی تھی۔
"لگتا ہے میری باتوں سے آپ کو دکھ پہنچا ہے۔ یقین کریں' میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔" یاور کے تاثرات نے تیدار کو نادم کر دیا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ نہ مجھے دکھ پہنچا ہے۔ میں نے بھی حقیقت کو فیس کرنا سیکھ لیا ہے اور آپ کو فضول میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسی......"
یاور کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اس کا سیل فون گنگنا رہا تھا۔ گل پری کی کال تھی۔ اس نے سیل آن کر دیا۔
"کیسی ہو گل پری؟ میں بھی بس ٹھیک سی ہوں۔ بابا جان ہسپتال میں ہیں بس یہی وجہ تھی۔ ہاں ہاں تم ٹینشن نہ لو پلیز!"
یاور کے لہجے میں اتنی اپنائیت اور فکر مندی تھی کہ تیدار اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ کچھ دیر بات کر کے اس نے فون بند کر دیا۔ اب وہ بالکل فریش نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یقیناً کال کرنے والی ہستی بہت خاص الخاص تھی۔ تیدار اس کے بارے میں کچھ حتمی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر بھی خیالات تھے کہ ہلچل مچا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

غالب چودھری' عارف چودھری کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ان کا لاڈلا۔ اس کی ہر خواہش پوری کی گئی تھی۔ ویسے بھی ضد اور منہ زوری اس کی عادات میں شامل تھی۔ زمانہ طالب علمی میں اظفر ملک سے اس کی دوستی ہوئی تھی۔ اظفر ملک بھی اس کی طرح جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے با اثر باپ نے شہر میں پڑھنے کی غرض سے اسے اپنا بنگلہ دے دیا تھا۔ جہاں آئے دن پارٹیز اور ہنگامے ہوتے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی غالب چودھری اسی کی راہ پہ چل پڑا۔
انہی پارٹیز میں اظفر نے اس کی ملاقات روبی سے کروائی بقول اس کے کہ روبی کو ماڈلنگ اور ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے کا بہت شوق ہے۔ اظفر ملک نے اس کے خاندان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ روبی اظفر ملک کی ہر محفل' ہر گیدرنگ' ہر فنکشن میں آئی تھی لگتا تھا کہ وہ ان محفلوں کا لازمی حصہ ہے۔ غالب کو پتا بھی نہیں چلا اور وہ آہستہ

آہستہ اس کا اسیر ہو گیا۔ اس کی دلچسپی دن بہ دن بڑھتی گئی۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی اس نے روبی کو شادی کی آفر کر ڈالی۔ وہ بھی اتنی انجان اور بے خبر نہیں تھی۔ مگر وہ اس کے خاندان کا حصہ نہیں بن سکتی تھی۔ اظفر ملک کوچ کر چکا تو اس پہ چڑھ دوڑا۔ پر غالب کسی بات کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ اسے روبی کی ماں کے بیک گراؤنڈ یا اس کے باقی خاندان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دلچسپی تھی بھی تو روبی سے۔ عشق کی پٹی آنکھوں پہ بندھی تھی۔ اسے سوائے روبی کے کچھ اور نظر آتا ہی نہیں تھا۔ روبی کی والدہ محترمہ نگینہ بیگم نے شرط لگا دی کہ اپنے گھر والوں کو راضی کرو تب ہی شادی کروں گی ورنہ پیچھے ہٹ جاؤ۔
غالب اس مشن پہ لگ گیا۔ گھر میں بھونچال آ گیا پر وہ بھی اپنی ضد پہ اڑا ہوا تھا۔ ضد پوری نہ کرنے کی صورت میں خودکشی کی دھمکی تک دے ڈالی۔ جاجرہ خانم شوہر کی موت کا صدمہ اٹھائے ہوئے تھیں' جوان بیٹے سے محرومی گوارہ نہیں کر سکتی تھیں۔ سو ڈرتے ڈرتے فاروق چودھری سے درخواست کی کہ غالب کی ضد مان لی جائے۔ اندر سے وہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے۔ انہوں نے عزت اسی میں سمجھی کہ غالب کی بات مان لی جائے مگر انہوں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ روبی کا شادی کے بعد اس کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہو گا نہ وہ ان سے ملے گی۔ خیر شادی دھوم دھام سے ہوئی سب کی موجودگی میں۔ غالب روبی پہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ وہ اسے کتنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنے لیے باعث عزت تصور کرتا ہے نہ کہ باعث رسوائی۔
غالب نے اس کی ضد پہ شہر میں خوب صورت گھر بنوایا۔ حسن کا فرنیچر' پردے' کارپٹ اور ہر چھوٹی بڑی چیزیں روبی کی پسند پہ خریدی گئیں۔
شادی کا پہلا سال بہت اچھا گزرا۔ روبی نہ چاہتے ہوئے بھی تابش کی ماں بن گئی۔ اتنی جلدی ماں بننے پہ وہ جھنجلا رہی تھی پر غالب بہت خوش تھا۔ روبی بات بے بات لڑنے لگی تھی فگر کی وجہ سے۔ وہ اس کی ہر بات مانتا۔ خوش رکھنے کی کوشش کرتا' پھر بھی وہ اداس اور منہ پھلائے ہوئے رہتی۔ گھریلو حالات میں چخ چخ کی وجہ سے غالب اپنی توجہ کاروبار پہ مرکوز نہیں کر پا رہا تھا۔ ان ہی حالات میں غالب حرا کا باپ بنا اور یہیں سے اس کے گھر کی مکمل تباہی کا آغاز ہوا۔
روبی نے چپکے چپکے اپنے خاندان سے تعلقات بحال کر لیے اور دونوں بچوں کو بھی ساتھ لے جانے لگی۔ گھر میں بھی اس کے پرانے کرم فرما آنے جانے لگے اور وہ خود بھی ایسی محفلوں کا پھر سے حصہ بننے لگی۔ غالب نے پیار سے ڈانٹ ڈپٹ سے سختی سے ہر طریقے سے سمجھایا پر روبی باز آنے والی نہیں تھی۔ غالب کی ان پابندیوں کا غصہ وہ تابش اور حرا پہ ہاتھ اٹھا کر نکالتی۔ تابش سے تو اسے خدا واسطے کا بیر ہو چکا تھا۔ غالب کی غیر موجودگی میں تابش اس کے ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنتا۔
غالب کو کبھی کبھی اس کی ممتا پہ شک ہونے لگتا۔ روبی کی ماں نگینہ بیگم کو ایک دن گھر پہ دیکھ کے وہ چراغ پا ہو گیا۔ ان کے مطالبات پورے کرتے کرتے وہ عاجز آ گیا تھا۔ روبی سے شادی کے موقعے پہ بھی اس نے ان کے مطالبات پورے کیے تھے۔ اب وہ پھر سے منہ پھاڑ کر طلب کر رہی تھی۔ غالب کی مالی حیثیت کافی اچھی تھی۔ نگینہ بیگم اس میں سے آدھا حصہ طلب کر رہی تھیں' گھر کے سکون کے لیے' وہ یہ بھی کرنے کے لیے تیار تھا لیکن روبی بیگم کو اس نے ایسی حالت میں دیکھا کہ سب کچھ بھول گیا۔ روبی طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی مگر غالب اپنی محبت کے ہاتھوں ابھی بھی مجبور تھا۔ وہ اس کے بچوں کی ماں تھی' اس کی پہلی محبت تھی وہ اسے خود سے الگ کرنے کا حوصلہ نہیں پا رہا تھا۔
غالب ایک میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا اور دو دن پہلے واپس آ گیا۔ یہاں روبی' اکبر سلطان کے ساتھ موجود تھی وہ بزنس ٹائیکون میں نیا نیا آیا تھا۔ روبی دوستی کے بہانے قریب ہوئی تھی۔
غالب کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ دونوں بیڈ روم میں بند تھے اور دروازہ باہر سے لاک تھا۔ غالب

سیدھا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ الماری کے نچلے خانے سے اپنا ریوالور نکالا۔ جو فل لوڈڈ تھا۔ صورت حال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے روبی نے اکبر سلطان کو چیختا دیا اور خود چھپ گئی۔

غالب نے ریوالور اپنی کنپٹی پہ رکھا اور زندگی کی قید سے چند ثانیوں میں ہی خود کو آزاد کر دیا۔ روبی سخت خوف زدہ تھی۔ اس نے وہیں سے ٹیکسی لی اور نگینہ بیگم کے پاس آ گئی۔ دونوں بچے اور غالب کی لاش اسی حال میں پڑی تھی جس طرح وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ بعد میں حرا اور تابش کی چیخوں اور شور نے پڑوسیوں کے چوکیدار کو متوجہ کیا۔ کیونکہ روبی نے گھر کے تمام نوکروں کو دو دن کی چھٹی دی ہوئی تھی۔

خون میں لت پت غالب کو ہسپتال پہنچایا گیا اور ساتھ ہی فاروق چوہدری کو بھی اطلاع دے دی گئی۔ بہت برا سانحہ تھا۔ اپنی عزت اچھلنے کے خوف سے فاروق چوہدری نے پولیس کو بھاری رقم دے کر اس خود کشی کو طبعی موت میں بدل دیا تھا۔ یاور کو بھی شروع میں یہی بتایا گیا کہ غالب کی طبیعت اچانک بگڑ گئی اور وہ ہسپتال میں ہے۔ روبی غالب کا آخری دیدار بھی نہ کر سکی۔

یاور پاگلوں کی طرح روبی کو ڈھونڈ پھر رہا تھا۔ نگینہ بیگم نے اسے دبئی بھجوا دیا تھا۔ غالب سے اس نے اتنا کچھ سمیٹا تھا کہ بڑے آرام سے دبئی جیسے پُرتعیش شہر میں چار پانچ سال کچھ بھی کیے بغیر گزار سکتی تھی۔

حالات معمول پر آئے تو نگینہ بیگم نے ہی بیٹی کو مشورہ دیا کہ تمہارے بچے ان کی تحویل میں ہیں تم اب بھی ان سے بہت کچھ سمیٹ سکتی ہو۔ سو وہ واپس آ گئی۔ اب وہ کال کر کے حویلی والوں کی پُرسکون زندگی کو پھر سے اجیرن کرنے کے درپے تھی۔

فاروق چوہدری پرانے زمانے کے وضع دار انسان تھے جبکہ یاور کی رگوں میں جوانی کا جوش اور خون تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا اگر روبی بیگم اس کے سامنے آ گئی تو وہ چھوڑے گا نہیں۔ فاروق چوہدری اسی بات سے ڈرتے تھے۔ غالب کے بعد وہ اسے کھونا نہیں چاہتے تھے۔ روبی فی الحال صرف دھمکیاں دے رہی تھی ابھی اس نے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی تھی۔ آخری حد تک پہنچ کر اس نے ڈیمانڈ کرنی تھی اور یقیناً "فاروق چوہدری نے تابش اور حرا کی خاطر اس کی ڈیمانڈ پوری کر دینی تھی۔

وہ ان کی حفاظت پہ سخت توجہ دے رہے تھے۔ گن مین اور باڈی گارڈ کے ساتھ وہ اسکول جاتے۔ ان کی نارمل بچوں والی سرگرمیاں ختم ہو گئی تھیں۔ یاور اس بات پہ اندر ہی اندر کڑھتا۔ لوتھرہ اور چوہدری محسوس کر رہے تھے کہ بچوں کو ایک عورت کے وجود اور محبت کی بھی ضرورت ہے۔ حاجرہ بیگم خود معذور تھیں وہ کمزور تھے۔ یاور گھر میں چوبیس گھنٹے بیٹھ کر انہیں ٹائم نہیں دے سکتا تھا۔ ان کے ذہن میں یاور کی شادی کی تجویز آئی۔

حرا اور تابش گزشتہ حالات کے خوف کے زیر اثر تھے۔ فاروق چوہدری نے اس کی توجہ اس سمت دلائی تھی۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ پہلے ہی اتنے دکھی اور مایوس تھے۔ انکار کر کے انہیں اور زیادہ دکھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ گل پری اس کی زندگی میں آ کر حرا اور تابش کے ساتھ اس کے خوابوں کی بھی تکمیل کرے گی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

پھر اس نے خود کو حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیا تھا۔

آبدار اس کی زندگی میں مضبوط حوالے کے کر داخل ہوئی تھی۔ اور اب گل پری سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ٹوٹے خوابوں کا سلسلہ پھر سے جوڑنا چاہتی تھی۔ اور یاور کی زندگی ابھی بھی پھولوں کی سیج نہیں تھی۔ فاروق چوہدری روبی کی دھمکیوں سے خائف تھے۔ انہیں ہر پل یہی دھڑکا لگا رہتا کہ وہ غالب کی نشانیوں کو ان سے چھین لے گی۔ یاور اپنے تعلقات استعمال کر کے روبی سے کڑا انتقام لے سکتا تھا۔ فاروق چوہدری نے یاور کے آگے ہاتھ جوڑ کر اسے کسی بھی کارروائی سے منع کر دیا تھا۔ وہ نگینہ جیسی بدفطرت عورت کے خوف سے یاور کو بچوں سمیت شہر

بھی منتقل ہونے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

تابش حرا اور آبدار کے بچپن کے حالات محرومیوں کے سلسلے میں ایک جیسے تھے۔ شاید اس لیے بھی وہ بہت جلد جذباتی طور پہ آپس میں قریب آ گئے تھے۔ اس قربت نے فاروق چوہدری کو جتنا سکون بخشا تھا وہی جانتے تھے۔

☆ ☆ ☆

فاروق چوہدری گھر آ چکے تھے۔

"پاپا جان موسم بدل رہا ہے۔ میں نے آپ کے گرم کپڑے نکلوا دیے ہیں اور یہ گرم پانی کی بوتل بھی لے آئی ہوں ٹکور کے لیے۔" وہ ان کے بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ فاروق چوہدری یاور کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ بوتل تھما کر چلی گئی تھی۔

"تم نے دیکھے آبدار کتنا خیال رکھ رہی ہے میرا اور بچوں کا بھی۔ تم نے دیکھے میرے فیصلے کے دور رس ثمرات۔" انہوں نے یاور سے تائید چاہی۔ وہ فقط سرہلا کر رہ گیا۔ آبدار کا ذکر جب بھی ان کے سامنے اچھے الفاظ میں کیا جاتا وہ یونہی بیگانگی کا مظاہرہ کرتا تھا۔

انہیں خبر نہیں تھی کہ یاور آج کل اندر ہی اندر کس مشکل کا شکار ہے۔ آبدار کے بارے میں لے دے کے چھپے لفظوں میں جو کچھ بتایا گیا تھا اس نے اسے مشکوک کر دیا تھا۔ پھر طلاق کا مطالبہ کیا گیا اس کی وجہ بھی سامنے نہیں آئی تھی۔

یاور نے اتنے عرصے میں اس کے کردار میں کوئی جھول نہیں پایا تھا۔ دوسری طرف گل پری تھی اس سے محبت کی دعوے دار اور سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار۔

وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ اس کی پریشانی کسی کے علم میں نہ آنے پائے۔

☆ ☆ ☆

ویک اینڈ تھا۔ تابش اور حرا بلے گلے کے موڈ میں تھے۔ ناشتے کے بعد وہ آبدار کے ساتھ کرکٹ کھیلنے کھڑے ہو گئے۔ یاور دیر تک سوتا رہا تھا۔ آبدار بولنگ کرا رہی تھی تابش کھیل رہا تھا۔

یاور نے ناشتہ کمرے میں ہی منگوایا۔ اس کا سر بھاری بھاری اور طبیعت کسل مندی کا شکار تھی۔ ناشتے میں صرف چائے لینے کے بعد وہ پھر لیٹ گیا۔ اس کی کھڑکی کے راستے آبدار کے ساتھ ساتھ تابش اور حرا کی آوازیں بھی یہاں تک آ رہی تھیں۔ وہ کھیل کے انجوائے کر رہے تھے۔ کافی دیر وہ سنتا رہا۔ آخر رہا نہیں گیا تو کھڑکی میں کھڑے ہو کر آبدار کو آواز دی۔ دوپٹہ کمر کے گرد باندھے اپنی کیپ پہنے اپنے تئیں وہ بڑی عظیم بیٹسمین بنی ہوئی تھی۔

"او کے فرینڈز! میں آپ کے چاچو کی بات سن کر آتی ہوں جب تک آپ کھیلیں۔" آبدار نے بیٹ تابش کو پکڑا دیا۔ یاور سینے کے بل لیٹا ہوا تھا۔ وہ پورے دس منٹ بعد آئی تھی۔ یاور کو یہ دس منٹ کا انتظار کچھ زیادہ ہی محسوس ہوا تھا۔

"مل گیا آپ کو ٹائم میرے لیے۔" یہ جارحانہ پن یہ غصہ یہ انداز آبدار کے لیے نیا تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ میری طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے میں تنہائی محسوس کر رہا تھا۔" آبدار کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر اس نے فوراً وضاحت دی تو اسے ہنسی آ گئی۔

"آپ سب کے ساتھ آ کر بیٹھیں یوں اکیلے کمرے میں بند رہ کر آپ اپ سیٹ ہی ہوں گے آپ۔" پہلی بار آبدار نے اس کے ساتھ بزرگانہ انداز اپنایا تھا۔ یاور غور سے دیکھنے لگ گیا۔ پنک پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس دوپٹہ۔ بالوں کی الجھی لٹوں سمیت وہ اپنی طرف سے کافی لاپروا سی لگ رہی تھی۔ یاور کی نگاہوں نے ہی اسے احساس دلایا تھا کہ وہ کھیلتے کھیلتے جس حال میں تھی اسی حال میں اٹھ کر چلی آئی ہے۔ جلدی سے دوپٹہ کھول کر اوڑھا اور کیپ اتار کر رکھ دی۔

"ہاں آپ کے کافی خوب صورت اور لمبے ہیں۔" اس کی تعریف میں سچائی تھی۔ آبدار شرما گئی۔

"گل پری کے بال آپ کی طرح لمبے نہیں ہیں مگر

خوب صورت ہیں۔" شاید بے دھیانی میں گل پری کا ذکر اس کے لبوں پہ آیا تھا۔ آبدار کی جان سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "یہ گل پری صاحبہ کون ہیں؟" اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے لہجے سے دلچسپی نہ ظاہر ہو۔

"میری کلاس فیلو رہی ہے۔ اور میری محبت بھی ہے میں بہت جلد شادی کرنے والا ہوں گل پری سے۔"

یاور بہت عام انداز میں بتا رہا تھا۔ جیسے ٹی وی پہ موسم کی خبروں کا احوال سنا رہا ہو۔ آبدار کے دل کو جیسے سانگ۔

"اگر آپ کو ان سے محبت تھی تو آپ نے پہلے ان سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"شادی میں نے اسی سے کرنی تھی وہ اپنے اور میرے درمیان کسی تیسرے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھی جبکہ بابا جان ایسی لڑکی کی تلاش میں تھے جو تابش اور حرا کی محرومیوں کا خلا پر کر دے۔ وہ اس کے لیے راضی نہیں تھی۔ وہ مجھے کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے بعد زندگی کا پل پل میرے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔"

یاور آرام سے بتا رہا تھا۔ آبدار اس زاویے پہ بیٹھی تھی کہ کھڑکی سے آتی دھوپ کا سایہ اس کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ اور اس کا چہرا اس کی کہانی سنا رہا تھا۔

"پھر اس کے بعد؟" آبدار نے آنسو اپنے اندر ہی اتار لیے۔

"پھر اس کے بعد یہ کہ بابا جان اور حرا، تابش کی محبت جیت گئی اور آپ سے بابا جان بہت خوش ہیں۔ آپ نے ہمارے گھر کو سمیٹ لیا ہے۔ لماں جان آپ سے خوش ہیں۔" یاور نے جان کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ آبدار کی آنکھوں میں پھیلتی نمی اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہی تھی۔

"گویا آپ مجھے ایک ضرورت کے تحت اس گھر میں لائے تھے ہے نا؟" یاور کی خاموش نگاہوں نے اثبات میں جواب دیا تھا۔

"آپ اور آپ کی گل پری دونوں محبت کرتے تھے بلکہ کرتے ہوں گے۔ تو کیا آپ دونوں میں جو محبت تھی اس محبت کے واسطے آپ انہیں مجبور نہیں کر سکتے تھے شادی کے لیے۔"

"اب وہ راضی ہو گئی ہے۔" یاور نے خوشی سے بتایا۔

"وہ بچوں کو برداشت نہیں کر سکتی تو مجھے کیسے کریں گی؟"

"اس کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔ میں گل پری کو یہاں نہیں رکھوں گا۔ آپ نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ اس کے بدلے میں بھی آپ کے لیے بہت کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ بھلا میرے لیے کیا کر سکتے ہیں۔" اس کی آنکھوں کی نمی اب آواز میں بھی در آئی تھی۔

"آپ بتائیں تو سہی۔"

"میں اسی گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس نام نہاد رشتے سے آزاد مت کیجیے گا۔ مما نے مجھے بیاہ کر سکون کا سانس لیا ہے۔ میں ان کے سکون کو تباہ نہیں کر سکتی۔ یوں لگتا ہے واقعی میں اور میری عزت یہاں محفوظ ہے۔ باسط بھائی کے عفریت سے میری جان چھوٹ گئی ہے۔ وہاں اب بڑے ابا نہیں ہیں جو میری حفاظت کریں گے۔ مما خود کمزور عورت ہیں۔ ابو کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی مما نے ڈر ڈر کے زندگی گزاری۔ مجھے بھی یہی درس دیا۔ مما تائی اور چچیوں سے دبتی آئی ہیں۔ پھوپھو میرا رشتہ مانگ رہی تھیں۔ رحمہ چچی اور صوفیہ چچی دونوں سے برداشت نہیں ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ سب بتاتی چلی گئی۔

"تمام حالات آپ کے سامنے ہیں۔ آپ ضرور شادی کریں لیکن مجھے ادھر ہی پڑا رہنے دیں۔ حرا اور تابش پہلے کی طرح میری ذمہ داری ہی رہیں گے۔"

آبدار کی زبان سے نکلے انکشاف در انکشاف نے یاور کے دماغ کو ماؤف سا کر ڈالا۔ وہ آج اس پہ منکشف ہوئی تھی۔ جانے آج کس کمزور لمحے کی گرفت میں آکر اس نے اپنا آپ عیاں کر ڈالا تھا۔

"اور میری آپ سے درخواست ہے کہ میری سچائیوں کو میرے لیے سزا مت بنا دیجیے گا۔" آبدار اب ان سے زیادہ صبر کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔ سو اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

وہ بند دروازے کو حیرت سے تک رہا تھا۔ فریق ثانی کی زبان سے آج اس نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھا تھا۔ بھیانک رخ۔

یاور کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ گل پری فون پہ فون کیے جا رہی تھی۔ اس نے جھنجلا کر سیل فون کا بیٹ پہ دے مارا۔ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کے موڈ میں نہیں تھا۔

✿ ✿ ✿

پلوشہ بھی گل پری کے ساتھ تھی۔ یاور ان کے پاس سے اٹھ کر جا چکا تھا۔ پلوشہ کے بازو گل پری کے گرد حائل تھے۔ وہ اس کے کان میں دھیرے دھیرے کچھ کہہ رہی تھی لیکن گل پری کو اس کا کوئی بھی لفظ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ رات سے یاور کو مسلسل ٹرائی کر رہی تھی۔ وہ پلوشہ کے کہنے پہ آئی تھی۔ گل پری کو اپنی جیت پہ سو فی صد سے بھی زیادہ یقین تھا۔ وہ خوب بن سنور کے آئی تھی۔

"یاور! مجھے پتا تھا کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بہت غرور سے دیکھ رہی تھی۔ یاور کے تصورات میں دو آنسوؤں سے بھری لرزتی کانپتی آنکھیں زندہ ہو گئیں۔ اس نے سر جھٹک کر ان آنکھوں کے سحر سے بہ مشکل خود کو نکالا اور گل پری کی طرف متوجہ ہوا۔

"یاور تمہیں اپنی بیوی کو طلاق دینی ہو گی ہم تب ہی ایک ہو سکیں گے۔"

یاور کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"گل پری میں تم سے شادی نہیں کر سکتا اس لیے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں بہت دن سے تم سے یہی بات کہنا چاہ رہا تھا۔ درمیان میں بابا جان کی طبیعت خراب ہو گئی ورنہ میں تمہیں پہلے ہی انفارم کر دیتا۔ دو دن پہلے ہی میں نے تمہیں یہ بات فون پہ کہہ دینی تھی مگر پھر مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے خود آیا ہوں تم کسی بھی اچھے سے شخص سے شادی کر سکتی ہو۔ میں بابا جان، آبدار، تابش و حرا سمیت کسی کو بھی اپنی لائف سے نہیں نکال سکتا۔ اس معصوم اور سادہ دل لڑکی نے مجھ سے مطالبہ نہیں کیا ہے۔ میں نے یہ بات اسی سے سیکھی ہے کہ صرف اپنے لیے اپنی ذات کی خاطر نہیں جینا چاہیے۔ اپنی ذات سے باہر نکل کر دیکھو۔ اس حد سے آگے بھی بہت کچھ ہے۔"

گل پری کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یاور اس سے یہ سب کہہ کر گیا ہے۔

وہ جا چکا تھا۔ پلوشہ اسے واپس گاڑی تک لائی۔ پلوشہ کو یقین تھا کہ یاور نے اسے جو آئینہ دکھایا ہے۔ اس آئینے میں اسے اپنی خود غرضی ضرور نظر آئے گی اور شاید وہ اپنا احتساب کر سکے۔ اس احتساب کے بعد ایک نئی گل پری کو جنم لینا تھا۔

"رات کو پاپا نے فرحان کو ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے۔ پاپا کے دوست کا بیٹا ہے۔ کہتے ہیں اس سے مل لو پھر مجھے بتانا کہ تمہیں کیسا لگا ہے۔ پاپا کہتے ہیں اس کا لائف اسٹائل بہت شان دار ہے۔" گل پری نے ہاتھ کی پشت سے آنکھ میں آئے آنسو صاف کر ڈالے تھے۔

گل پری یاور کے خیال کو جھٹکتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔ گاڑی واپسی کا سفر کر رہی تھی۔ واپسی کا سفر گل پری کے لیے مشکل ہو تھا مگر ناممکن نہیں۔

یاور پارکنگ لاٹ میں کھڑی اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت مطمئن اور پرسکون تھا۔ گل پری نے تو آج اور ابھی کچھ دیر پہلے آبدار کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی یاور گل پری کا صاف جواب دینے کی سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا۔

پری گل کی خود غرضی اور سفاکی نے بہت کچھ بتا ڈالا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ اب اس کے دماغ اور

اعصاب پہ کوئی دباؤ نہیں تھا۔ وہ آبدار کو مکمل اور بھرپور چاہتوں سمیت اپنانے کے لیے تیار تھا۔

☆ ☆ ☆

روبی کھل کر سامنے آگئی تھی۔ وہ تو غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ "میں اس عورت کو نہیں چھوڑوں گا۔ ثاقب بھائی اسی کی وجہ سے موت کے منہ میں گئے۔ اب یہ کیا چاہتی ہے۔"

"ارے بیٹا! ہوش سے کام لو۔ ان جیسی عورتوں کا مقصد صرف اور صرف پیسہ ہوتا ہے۔ وہ اگر پیسے لے کر ہماری زندگیوں سے نکل جائے تو یہ خوشی کی بات ہے۔ میں ان بچوں کا صدقہ سمجھ کر دے دوں گا۔" فاروق رسان سے بولے۔

"لیکن بابا جان!" اس نے احتجاج کرنا چاہا۔

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر خاموش کرا دیا۔

"تمہیں کیا پتا کتنی محبتوں سے تمہیں پروان چڑھایا۔ خدا میں روبی یا نگینہ بیگم جیسی بدقماش عورتوں سے نہیں ڈرتا صرف اور صرف اپنی عزت سے ڈرتا ہوں۔ ورنہ ان عورتوں کا انتظام کرنا مشکل نہیں ہے۔ مت بھولو کہ روبی ثاقب کی محبت و چاہت اور بیوی تھی۔ وہ جیسی بھی ہے بھابھی ہے تمہاری۔ اسی وجہ سے میں کمزور پڑ جاتا ہوں۔ ثاقب خود موت کے منہ میں چلا گیا لیکن روبی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ تو میں بھی روبی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہو سکتا ہے ایک دن اسے خود ہی احساس ہو جائے۔ شاید اس بار وہ سمجھ جائے۔"

ان کی خوش فہمیوں کی کوئی بھی حد نہیں تھی۔ یاور دیکھ کر رہ گیا۔ انہوں نے اس کی نگاہوں میں ڈولتی بے اختیاری بھانپ لی تھی۔

"ٹھیک ہے بابا جان! آپ جو بھی کریں لیکن میں اپنے بھائی کی قاتل کو معاف نہیں کر سکتا۔"

☆ ☆ ☆

فاروق چودھری حیرانی سے اخبار دیکھ رہے تھے۔ نگینہ اور روبی کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ روبی نے ثاقب کے بعد ایک اور شادی کر لی تھی۔ وہ دبئی میں رہتا تھا۔ شادی کے بعد بھی پرانی عادتیں کہاں چھوٹنے والی تھیں۔ در پردہ کچھ اور لوگوں سے بھی اس کے تعلقات تھے۔ وہ یہاں فاروق چودھری سے ملنے آئی تھیں۔

یہاں آنے کے بعد اس کے پرانے عاشق بھی آنے لگے تھے۔ اس کا شوہر دبئی سے اچانک آیا تو اس نے روبی کو اس کے عاشق کے ساتھ نازیبا حالت میں دیکھا تو برداشت نہ کر سکا اور اس کو گولی مار دی۔ نگینہ سامنے آئی تو وہ بھی نشانہ بن گئی۔

فاروق چودھری کے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے یاور کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی طرف کچھ بڑھا رہا تھا۔

"ایڈمیشن فارم ہے۔ میں نے یونیورسٹی میں آپ کا ایڈمیشن کروا لیا ہے۔"

"لیکن کیوں؟ میں نے آپ کو کہا بھی تھا کہ میں نہیں پڑھ سکتی فی الحال۔ مجھے بابا جان اور اماں جان کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ حرا اور تابش بھی ہیں۔ اور جب میری ذمہ داریاں کچھ کم ہوں گی میں پرائیویٹ طور پہ تیاری کر کے ایگزام دے دوں گی۔ فی الحال نہیں۔" وہ قطعیت سے بولی۔

"آپ بات پوری سنتی نہیں ہیں بولنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ کا ایڈمیشن بطور پرائیویٹ امیدوار ہوا ہے ریگولر نہیں۔ حرا اور تابش کے لیے آپ جو کچھ کر رہی ہیں وہ کافی ہے۔ آپ کا بوجھ کم کرنے کی میں نے کوشش کی ہے اور ان کے لیے ٹیوٹرز کا انتظام کیا ہے۔

اور سب سے ضروری بات کرنا تو میں بھول گیا ہوں۔ آپ اب حرا اور تابش کے روم میں سونا چھوڑ دیں۔ بابا جان کو پتا چل گیا ہے۔" آبدار پریشان ہو گئی تھی۔ اپنی طرف سے تو وہ پوری پوری کوشش کرتی تھی کہ کسی کو بھی خبر نہ ہو۔ پتا نہیں کیسے یہ بات ان تک پہنچی تھی۔

"یہ وقت سوچنے کا نہیں ہے۔ اس پرابلم کا حل ڈھونڈیں۔" یاور اسے ڈرا رہا تھا۔

"لیکن حرا اور تابش میرے بغیر کیسے رہیں گے۔ انہیں عادت پڑ گئی ہے میری۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"عادت تو کسی اور کو بھی آپ کی پڑ گئی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی۔" یاور بہت آہستہ بولا تھا۔ وہ سن ہی نہیں پائی۔

"اب میں کیا کروں؟"

"آپ اپنا سامان اٹھائیں اور چلیں اپنے بیڈ روم میں۔ میں ڈریکولا نہیں ہوں جو آپ کا خون پی جاؤں گا۔"

"جی۔" اس نے حیرانی سے نگاہیں اٹھائیں۔ یاور کی بے باک شریر نگاہیں اسی پہ جمی تھیں۔ اس کی دھڑکنیں صرف ایک ثانیے کے لیے قابو سے باہر ہو گئیں۔

"مگر حرا اور تابش۔" اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ جائیں۔ میں انہیں سمجھا لوں گا۔"

"اچھا!" وہ خاصی بے وقوف لگ رہی تھی۔ یاور نے بہ مشکل اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا۔

☆ ☆ ☆

اپنی مما کے بلانے پر آبدار گھر آئی تو ادھر سناٹا بول رہا تھا۔ وہ ہول سی گئی۔ گھر کوئی بھی سامنے نظر نہیں آ رہا تھا سوائے چوکیدار کے۔ وہ مما کی طرف آئی۔ وہ پریشان سی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ یاور نے اسے راستے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ مما نے بتایا کہ پاپا اور دونوں چچا کی فیکٹریوں کو حادثاتی طور پہ رات کو آگ لگ گئی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ تینوں کی تینوں فیکٹریوں کو اکٹھے آگ لگی تھی۔ ان میں موجود کروڑوں کا سامان اور مشینری جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ آگ پہ ابھی بھی قابو نہیں پایا جا سکا تھا۔

فیکٹریوں اور مشینری کی انشورنس بھی نہیں ہوئی

تھی ورنہ شاید اتنا نقصان صرف مالکوں کو ہی نہ برداشت کرنا پڑتا۔

اس حادثے سے عاشر احمد کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہے تھے۔ جلال اور یاسر کی حالت بھی ان سے الگ نہیں تھی۔ سارا سرمایہ ڈوب گیا تھا آگ میں راکھ ہو گیا تھا۔ کنزہ کو بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ ایک ایک کو تسلی دے رہی تھیں۔

پولیس میں اس واقعے کی رپورٹ درج کروا دی گئی تھی۔ اب تک کی تفتیش کی روشنی میں جو سامنے آیا تھا اس نے بہت کچھ واضح کر دیا تھا۔ فیکٹریوں میں آگ عاشر احمد، یاسر احمد اور جلال احمد کے مشترکہ کاروباری حریف نے لین دین کے تنازعے پہ انہیں سبق سکھانے کے لیے خود لگوائی تھی۔ وہ اب اپنے اہل خانہ کے ساتھ روپوش تھا اور اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ سامنے آکر اپنا جرم قبول کرے گا کیونکہ زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ وہ ملک سے باہر جا چکا ہو گا۔

☼ ☼ ☼

اسے اپنی ممّا کے گھر آئے کافی دن ہو چکے تھے۔ وہ سو رہی تھی جب آوازوں سے اس کی آنکھ کھلی۔ تابش اس کے دروازے سے جھانک رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آیا۔ تابش اندر آ رہا تھا۔

"دلہن آنٹی! ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔" وہ محبت سے اس سے لپٹ گیا۔ آبدار نے بھی بڑی محبت سے اس کا ماتھا چوما۔

"اور کون کون آیا ہے؟"

"میں، حرا اور پاپا جان آئے ہیں۔" اسے مایوسی سی ہوئی۔ تابش اچھلتا کودتا باہر بھاگ گیا تھا۔

آبدار منہ ہاتھ دھو کر پاپا جان کے پاس چلی آئی۔ وہ اس کی غیر حاضری پہ گھر کی اداسی سے پریشان تھے اس لیے خود چلے آئے تھے۔ آبدار نے رات کا کھانا تیار کیا۔ وہ کچن میں ہی تھی۔ تائی اماں کی آواز آ رہی تھی۔ فاروق چودھری فیکٹریوں میں آگ لگنے والے حادثے کے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے۔ آبدار نے سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔ دعا مانگنے کے بعد ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔

آبدار اپنی ممّا کو گڈ نائٹ کہہ کر واپس مڑ رہی تھی جب انہوں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ تکیے کے پاس سے کوئی چیز اٹھا کر انہوں نے اس کی طرف بڑھائی۔ تب آبدار نے دیکھا یہ وہی چیز ہے، کا بینک تھا جو بڑے ابا نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے کنزہ کو دیا تھا۔

آبدار کنزہ کے بغیر کچھ بولے ہی بہت کچھ سمجھ گئی تھی۔ یہ ان کا حق تھا جو انہیں واپس مل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح ناشتے کے بعد فاروق چودھری نے جانے کی تیاری کر لی تھی۔ ڈرائیور ان کے انتظار میں تھا۔ آبدار جا کر سب سے ملی۔ تائی اماں، باسط بھائی، ثمارہ بھابھی، رحمہ اور صوفیہ چچی سمیت دونوں چچا تک نادم اور شرمندہ سے تھے۔ مگر اس کے دل میں کوئی کھوٹ، میل اور ناراضی نہیں تھی۔

آج یاسر احمد اور جلال احمد نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعائیں دے کر بیٹی کی مانند رخصت کیا تھا۔ عاشر احمد، بابا ابو ابھی تک ہسپتال میں ہی تھے۔ ورنہ ان سے بھی وہ لازمی مل کر جاتی۔ کنزہ نے حفاظت کی دعا پڑھ کر پھونکی۔ ڈرائیور اور فاروق چودھری انہیں دیکھ رہے تھے۔ آبدار گاڑی میں بیٹھ گئی۔ کنزہ کے ساتھ ساتھ گیٹ پہ دونوں چچا، تائی اماں، رحمہ اور صوفیہ چچی بھی کھڑی تھیں۔

سارا منظر بہت بھرپور اور مکمل تھا۔

☼ ☼ ☼

واپسی پہ یاور کا بیڈ روم لاک ملا۔ جانے سے پہلے وہ اپنے استعمال کی تمام چیزیں نکال کر ادھر رکھ کر گئی تھی۔ یاور کا انتظار کرنا تھا۔ وہ حاجرہ خانم کی طرف آگئی۔ ان کی خیر خیریت پوچھی اور باتیں کرتی رہی۔ تابش نے ہی آکر بتایا کہ چاچو آگئے ہیں۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔

دروازہ ابھی تک لاک تھا۔ وہ بند دروازے کے سامنے کھڑی اس کا سبب سوچ رہی تھی جب یاور کی جانی پہچانی مخصوص قدموں کی چاپ اس کے قریب آرکی۔ "دروازہ لاک کیوں ہے؟"

"وعلیکم سلام آتے کے ساتھ ہی سوال؟" یاور کی گہری نگاہیں اس کا طواف کر رہی تھیں۔ کتنے دنوں بعد دیکھا تھا۔ آبدار مضطرب سی ہو گئی۔

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے لڑکھڑاتے انداز میں پوچھا۔

"کچھ ہی گھنٹوں کی بات ہے پھر آپ کو سب بتاؤں گا۔"

"جی...!"

"ہاں جی۔" اس کے ہونق بننے پہ یاور کھل کے ہنسا۔ "میں آپ ہی کے انتظار میں تھا۔"

"کیوں میرے انتظار میں کیوں؟"

"اصل میں آج رات میں نے نکاح کا فیصلہ کیا ہے تو اس میں آپ کو بھی لازمی شرکت کرنی ہوگی۔ تیاری کرنی شروع کریں۔ میں آپ کے لیے ایک سوٹ بھی لایا ہوں۔ ساتھ والے کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ آپ کو ادھر ہی تبدیل کرنا ہوگا کیونکہ نئی دلہن کو میں اپنے بیڈ روم میں ملاؤں گا تو اسی کی آمد پہ دروازہ کھلے گا۔"

اس کی حالت سے بے خبر وہ اپنی خوشیوں میں مگن تھا۔ آبدار کے چہرے پہ دکھ کا سایہ پھیلا تھا اور آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے۔

"یہاں پہ کوئی پارلر نہیں ہے، آپ خود ہی میک اپ کر لیجئے گا۔ مگر میک اپ کے بغیر بھی آپ بہت خوب صورت لگتی ہیں۔ بس مہندی لازمی لگانی ہے آپ نے ہاتھوں میں اور بال بھی کھلے چھوڑنے ہیں۔"

"کیوں؟" اسے غصہ آگیا تھا۔

"میرے لیے، میرا مطلب ہے کہ آپ کو میرے نکاح میں جانا ہے تو خوب اچھی طرح تیار ہونا ہے نا!" یاور نے وضاحت کی۔ وہ اس کے آنسوؤں کو خاطر میں ہی نہیں لا رہا تھا۔

آبدار اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ تنہائی میں کھل کے رونا چاہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرہ بند ہونے کے باوجود گھٹی گھٹی رونے کی آواز باہر آ رہی تھی۔ یاور اسے تیار ہونے کا کہنے آیا تھا۔ آوازوں نے اسے بے چین کر دیا۔ دستک پہ دروازے کا بولٹ گرا اور آبدار روتی روتی حالت میں سامنے آگئی۔ یاور کا دل بے اختیار خود کو ملامت کرنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اس کا بازو پکڑ کر اندر لے آیا۔

"ویسے اگر آپ ایک بار کہہ دیں کہ شادی نہ کرو تو میں نہیں کروں گا۔"

"کیوں میں کیوں کہوں کہ شادی نہ کریں۔" جواباً وہ اتنا ہی تپ کر بولی تو یاور جو اسے روتے دیکھ کر اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ بدلنے کا سوچ رہا تھا، پھر سے ڈٹ گیا۔

"ٹھیک ہے آبدار صاحبہ! اتنا آپ میں اختیار رہے کی پائی جاتی ہے تو ٹھیک ہے پھر۔"

وہ دل میں اس سے مخاطب ہوا۔

"تو کہے نہ سہی میں آپ کی بھلائی کی سوچ رہا تھا۔ آپ نہیں چاہتی تو نہ سہی۔ چلیں ٹھیک ہے۔"

اسے یوں لگا کہ یاور کچھ دیر اور اس کے سامنے اسی

طرح کھڑا رہا تو وہ اس پہ پل پڑے گی اور اس کا حشر کرے گی۔ لیکن شکر ہوا کہ وہ اسے دوبارہ تیار ہونے کا کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

آبدار بے دلی سے تیار ہوئی۔ یاور مہرون کلر کا بہت خوب صورت سوٹ لایا تھا۔

جو یقیناً "کسی مہنگے بوتیک سے خریدا گیا تھا اس پہ نگ کا کام کیا ہوا تھا۔

میک اپ سے اسے دلچسپی نہیں تھی اور کرنا آتا بھی نہیں تھا۔ صرف لپ اسٹک لگائی۔ اور بال یاور کی خواہش پہ کھلے چھوڑے۔ وہ اب یاور کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے یہاں بٹھا کر جانے خود کہاں غائب ہو گیا تھا۔ صوفے سے سر ٹکائے ٹکائے اسے نیند آنے لگی تھی۔ تھکا ہارا جسم آرام مانگ رہا تھا۔ اس کی پلکیں خود بخود ہی مند گئی۔

دوبارہ اس کی آنکھ یاور کی آواز پہ کھلی وہ اسے بلا رہا تھا۔ نیند سے مندی مندی آنکھیں ایک دم الرٹ ہو گئیں۔ "آئیں" "اب چلیں۔" آبدار جوتے پہن کر اس کی معیت میں باہر تک آئی۔ وہ اپنے بیڈ روم کے دروازے پہ ٹھہر گیا۔ "ایک منٹ مجھے ایک کام ہے پھر چلتے ہیں۔" وہ لاک کھول کر اندر چلا گیا۔

"آئیں آپ بھی۔" وہ دوبارہ باہر نکلا۔

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ میری دلہن ہی اندر قدم رکھے گی۔" وہ ہچکچائی۔

"ہاں تو سہی۔" یاور نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ معمول کی طرح اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ یاور نے لائٹ جلائی۔ پھولوں کی مہکتی ہوئی بھینی بھینی خوشبو کو اس کی حس شامہ پہلے ہی محسوس کر چکی تھی۔ یہاں سے وہاں تک پھول ہی پھول بکھرے تھے۔

"میں تمہیں اپنی زندگی میں خوش آمدید کہتا ہوں۔" مخملیں ڈبیہ آبدار کے ہاتھ میں اس نے زبردستی تھمائی۔

یاور نے پہلی بار اسے ہم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی یہ سب کیا ہے۔ اس کی عقل میں جو آ رہا تھا یہ بہت انوکھا اور انجانا سا تھا۔ اور دل اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے خوف زدہ تھا۔ کہیں یہ خواب نہ ہو۔ ٹوٹ ہی نہ جائے۔

یاور اس کی کیفیت محسوس کر چکا تھا۔ بڑی نرمی سے اسے تھام کر پاس پڑے صوفے پہ بٹھا دیا۔ وہ کر سنے والی ہو رہی تھی۔

"یار بس تو رہنے لگتا ہے میرا سرپرائز تمہیں پسند نہیں آیا۔" آبدار کی آنکھوں سے نمی چھلکی وہ بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "نہیں اب بالکل نہیں رونا۔ میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے اس کا آنسو ہاتھ سے صاف کیا۔

"مجھے محسوس ہوا کہ ہم ازل سے ایک دوسرے کے لیے بنے تھے بس مجھے سمجھنے میں دیر لگی لیکن باخدا میں تمہاری طرف سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہا۔"

یاور کی نگاہوں سے بڑے خوب صورت جذبے چھلک رہے تھے' اب وہ جان کر انجان نہیں رہ سکتی تھی۔ یاور اس کے بالوں کو چھیڑ رہا تھا۔ اس کی شوخ نگاہوں کا پیغام واضح تھا۔ وہ پل بھر میں سب فاصلے مٹانے کے در پے تھا۔

آبدار کو خبر تھی اس کی شدتوں سے راہ فرار نہیں ہے اور وہ فرار چاہتی بھی کب تھی۔ اس نے یاور کے ہاتھ پہ اپنا نازک سا ہاتھ رکھ کر اس کے جذبوں کو پذیرائی بخش دی تھی۔ یاور نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

یاور کی گرفت میں محبت کا مان اعتماد اور اعتبار تھا۔ یاور کے سنگ ایک نئے سفر کا آغاز ہو رہا تھا۔ آبدار کو یقین تھا یہ سفر بہت خوش گوار ہو گا کیونکہ اب یاور کی محبت جو اس کے ہمراہ تھی۔